ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جون ۱۹۹۵ء

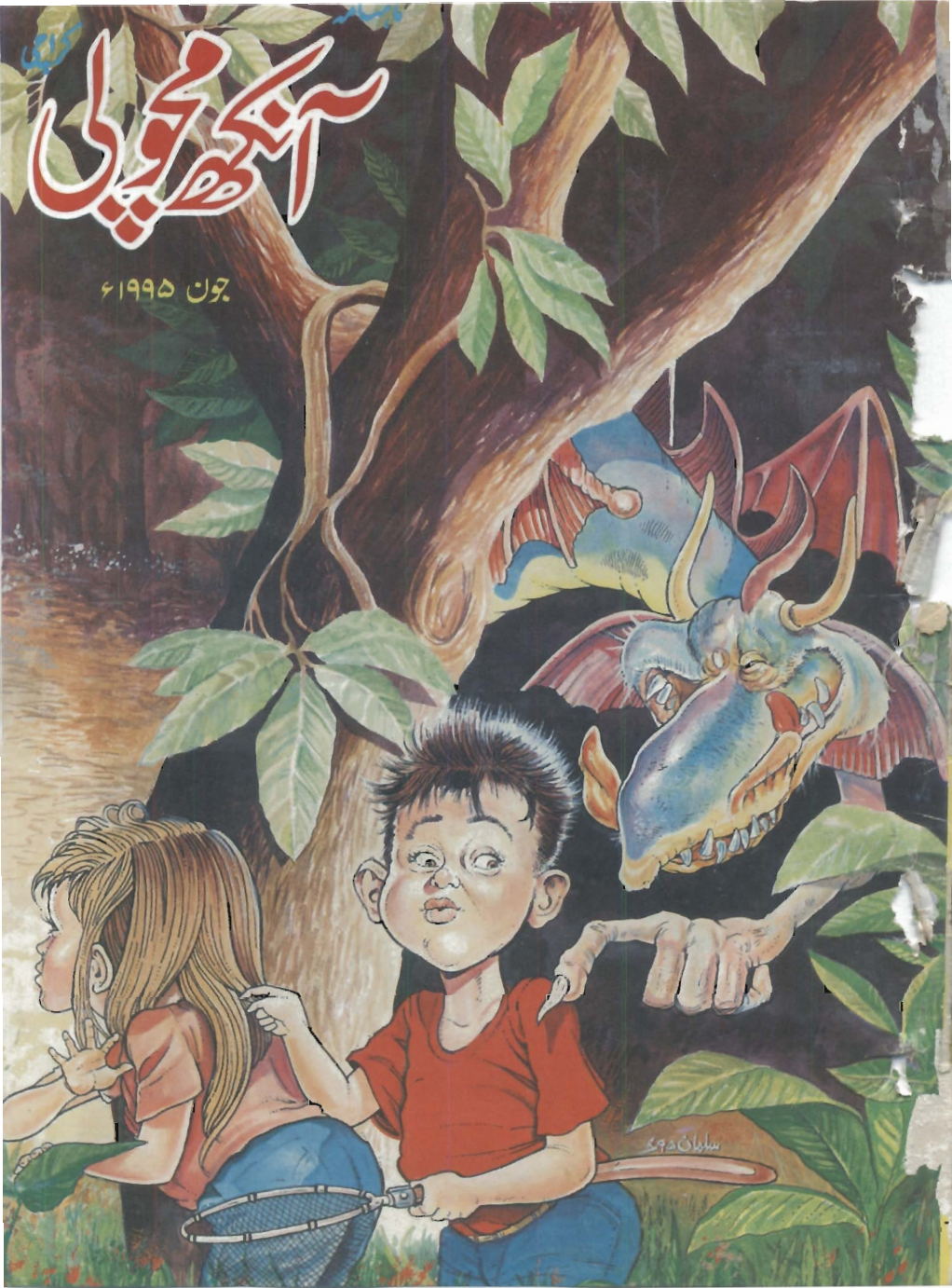

ٹھنڈا ٹھنڈا ہرا ہرا

کوئس
آئسکریم سیرپ

بچّے کہیں، بڑے کہیں۔ اور، اور، اور

Transworld

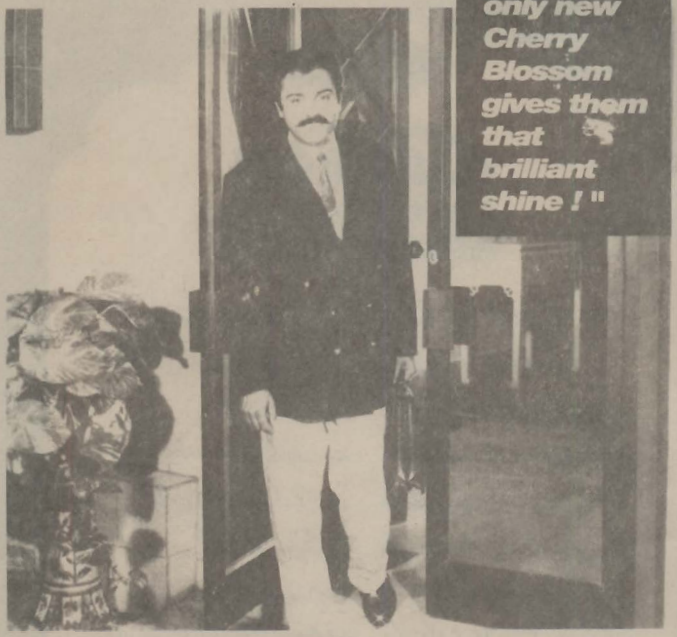

" All polishes shine shoes ...
... but only new Cherry Blossom gives them that brilliant shine ! "
NEW! ENRICHED FORMULA
Cherry BLOSSOM
FOR A BRILLIANT SHINE
That's because
New Cherry Blossom's
New Enriched Formula
now gives shoes
such a brilliant shine
that is simply not possible
with any other shoe polish.
That is why everybody says:
" For a truly brilliant shine
- the one and only
New Cherry Blossom "
New Cherry BLOSSOM
MPL

لمحۂ فکریہ

سورۃ فاتحہ

کا مسلمانوں سے سوال

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے
رحمان اور رحیم ہے
روزِ جزا کا مالک ہے
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
دِکھا ہمیں سیدھا راستہ
اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا
جو معتوب نہیں ہوئے
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں

نام اللہ کا اور کام شیطان کے
تعریف اللہ کی، تقلید غیر اللہ کی
رحمان و رحیم وہ، انعام و اکرام کی اُمید کسی اور سے
روزِ جزا کا مالک وہ، خوفِ سزا کسی اور سے
عبادت اس کی، اطاعت غیروں کی
مالک و مددگار وہ، طلب و اعانت دُوسروں سے
راستہ وہ دکھائے، رہبر کوئی اور ٹھہرے
آخر اُن لوگوں میں ہم کیوں شامل کئے جائیں جن پر
انعام ہوا کہ انعام تو فرمانبرداروں کا حق ہے۔
اُن لوگوں میں سے کیوں نہ ہوں جن پہ غضب ہوا
کہ غضب ہی نافرمانوں کا مقدر ہے۔

عطیہ اشتہار

حاجی فتح محمد میموریل آرگنائزیشن
۷۔ حسن لشکری اسٹریٹ، بادشاہی روڈ کراچی
۸۷۔ بلاک نمبر ۲، خانیوال

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

ذی الحجہ / محرم ۱۴۱۶ / جون ۱۹۹۵ء

شمارہ ۱۲

جلد ۹

آڈٹ بیورو و آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رُکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مدیرِ اعلیٰ

ظفر محمود شیخ

منتظمِ اعلیٰ

تجمل حسین چشتی

مدیرِ اعزازی

طاہر مسعود

مجلسِ ادارت

منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

مینیجر اشتہارات

عمران احمد

مصور

مومن رحیم

فون نمبر: ۴۹۳۲۸۵۷ ۴۹۲۱۰۲۱۰

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل ٹرسٹ کے زیرِ نگرانی ... بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۰-اے، پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قیمت: ۱۵ روپے
۷ درہم ۷ ریال

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاہد علی۔ مطبع لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

جب آپ نیلے آسمان پہ محوِ سفر ہوتے ہیں
تو آنکھ مچولی آپ کا ہم سفر ہوتا ہے

جی ہاں!

اگر آپ کبھی پی آئی اے سے سفر کر رہے ہوں
اور آپ کا دل کچھ پڑھنے کو چاہے ——— تو آپ اپنے فضائی میزبان
سے آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں
بات صرف اتنی سی ہے

آپ جہاں ہیں — آنکھ مچولی وہاں ہے

• دلچسپ کہانیاں • مزیدار نظمیں • معلوماتی مضامین • چونکا دینے والی تصویریں
اور وہ سب کچھ جو صرف آنکھ مچولی میں ہوتا ہے

وقت کا بہترین استعمال آنکھ مچولی کا مطالعہ

آنکھ مچولی کو آپ ہمیشہ ایک سچا اور وفادار دوست پائیں گے

ادارہ آنکھ مچولی 1۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	ادارہ	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
دُعا (نظم)	قتیل شفائی	۱۰
سلام کرنے میں پہل	عدنان جہانگیر	۱۱
فاتح	علی اکمل تصوّر	۱۴
اچھے بھائی بنے کپتان	پروفیسر عنایت علی خان	۲۰
صراطِ مستقیم (نظم)	محمد جنید ہارون لاکھانی	۲۶
اُردو ادب کے برطانوی محسن	ڈاکٹر اسلم فرخی	۲۷
سیر سوا سیر	نصیر ہزاروی	۳۲
جنت کی کھڑکی	سید نظر زیدی	۳۸
ایک پاکستانی بچے کی تمنّا (نظم)	افشاں بشیر	۴۲
کون سی ملاوٹ صحیح ہے؟	صائمہ نادر حسن	۴۴
چھتیس گھنٹے لہروں میں	ریحانہ منیر	۴۶
بھکاری یا فن کار	عروبہ منیر	۵۷
نادان دوست (نظم)	تنویر پھول	۶۰
شامت کا مارا	اصغر علی ساگر	۶۲
نباتات بھی جاندار ہوتے ہیں	شگفتہ شمیم	۶۴
نومی میاں کا تجربہ	محمد اسرار الحق	۶۸
پرندوں کی طرح اُڑنے والے	یاسر علی	۷۵
ماں کی نصیحت (نظم)	محمد شاہد فیروز	۷۷
آمنے سامنے	سلیم خالق	۷۸
اَب مَیں کیا کروں	ادارہ	۸۲
ہنستے ہنستے	منتخب لطائف	۸۷
سوال آدھا جواب آدھا	محمد بن مالک	۹۱
ایک ہفتے کی سزا	حفصہ صدیقی	۹۴
بنام آنکھ مچولی	خطوں کے جواب	۹۸
سوتا جاگتا ابو الحسن	نیر مسعود	۱۰۲
قلم دوست	ننھی تحریریں	۱۰۹

سنہرے حروف

ایک دن رسول اکرمؐ اپنے صحابہ کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا'

"یا رسولؐ اللہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔ اس شخص نے اپنی بات جاری رکھی :

"میں ایک جھاڑی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ غٹ غٹانے کی سی آواز میرے کانوں میں آئی میں نے جھاڑی میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کبوتری کے دو بچے دکھائی دیئے۔ میں نے کبوتری کے بچوں کو اپنے رومال میں لپیٹ لیا اور اپنا راستہ لیا۔ اتنے میں کبوتری وہاں پہنچ گئی۔ اس نے گھونسلہ خالی دیکھا تو واویلا شروع کردیا اور میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے رومال کھول دیا۔ کبوتری بے خوف و خطر میرے رومال پر آکر اپنے بچوں کے پاس بیٹھ گئی۔ یہ دیکھئے تینوں ابھی تک میرے رومال میں ہیں۔۔۔۔ اس شخص نے رومال کھول کر آنحضرتؐ کے سامنے پھیلادیا۔"

رسولؐ اللہ نے پرندوں کو دیکھا اور اس شخص سے کہا : فوراً" جاؤ اور انہیں ان کے گھونسلے میں چھوڑ آؤ۔ یہ کہنے کے بعد رسولؐ اللہ سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور اشک آلود آنکھوں سے صحابہ کو دیکھ کر کہا :

"ماں کی محبت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔۔۔ اس کبوتری کے دل میں اپنے بچوں کے لئے کتنی گہری محبت ہے اور اسے ان کا کتنا خیال ہے لیکن میرے دوستو' اللہ کو اپنی مخلوق کی اس سے بھی زیادہ فکر ہے اور اس سے بھی زیادہ خیال ہے۔"

ماہِ وصال کی پہلی بات

رشتہ دار بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتے ہیں۔ یہ ہوں تو خاندان کی زندگی بارونق ہو جاتی ہے۔ چچا، چچی، خالو، پھوپھا، پھوپھی یا ذرا دور پرے کے رشتہ دار ۔۔۔۔ ان سب کا آنا جانا لگا رہے تو گھر میں کیسی چہل پہل رہتی ہے۔ لیکن یہ نہ ہوں تو اچھا خاصا گھر بھی سنسان پڑا رہتا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اب رشتہ داروں کی اہمیت کا احساس بھی دن بدن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خاص طور پر ہمارے ایسے ساتھی جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں رشتہ داروں کے نام سے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اور والدین انہیں کسی رشتہ دار کے ہاں لے جانا چاہیں تو ایسی بے زاری ظاہر کرتے ہیں جیسے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑی ہو۔ ان دوستوں کا خیال ہے کہ اصل تعلق دوستی کا ہوتا ہے اور رشتہ داروں کو شکوے شکایت اور خاندانی سیاست کے سوا اور آتا ہی کیا ہے۔

ہمارے خیال میں ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے۔ رشتے دار جیسے بھی ہوں، بہرحال رشتے دار ہوتے ہیں۔ ان سے تعلق کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ تعلق جتنا مضبوط ہو، خاندان بھی اتنا مضبوط ہوتا ہے اور یہ جتنا کمزور ہو، خاندان اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ دوست، احباب، عمر اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن رشتہ دار نہیں بدل سکتے۔ دکھ سکھ میں آخر کار یہی کام آتے ہیں۔ اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ان سے نیک برتاؤ کو صلہ رحمی کا نام دیا ہے۔ دوستی کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن دوست، رشتہ داروں کی جگہ کبھی نہیں لے سکتے اور نہ دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان موازنہ کرنا کوئی عقل مندی کی بات ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دوستوں سے ہماری بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے اور ان سے مل کر ہمیں زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لئے ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید دوستوں سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ لیکن جس دن آپ رشتہ داروں سے اسی خلوص اور محبت سے ملنا شروع کر دیں جس خلوص سے آپ اپنے دوستوں سے ملتے ہیں تو تھوڑے ہی دنوں میں یہی کیفیت رشتہ داروں کے سلسلے میں محسوس ہونے لگے گی۔ اس لئے اصل بات یہ ہے کہ محبت، دوستی اور بے تکلفی وغیرہ میل ملاپ سے پیدا ہوتی ہے۔

اور پھر یہ تعلق جب ایک بار مضبوط بندھنوں میں بندھ جاتا ہے تو ساری عمر نہیں ٹوٹتا ۔۔۔ پھر تو رشتہ دار ہی سچے دوست بھی محسوس ہونے لگتے ہیں ۔۔۔ یقین نہ آئے تو آزما دیکھئے۔ آپ کا دوست

طاہر مسعود

دعا

قتیل شفائی

اے خدا، اے ہمارے خدا
ہم کو نیکی کا رستہ دکھا

اچھے انسان بن جائیں ہم
تیرے بندوں کے کام آئیں ہم
جو دکھی ہم کو آئے نظر
کم کریں اس کے غم کا سفر

زندگی کا ہو یہ مدعا
اے خدا، اے ہمارے خدا

ہم بزرگوں کی عزّت کریں
اور چھوٹوں سے شفقت کریں
خوش رکھیں اپنے ہمسائے کو
ہم سے ناراض کوئی نہ ہو

دیں سبھی لوگ ہم کو دعا
اے خدا، اے ہمارے خدا

سلام کرنے میں پہل

عدنان جہانگیر

دنیا کے ہر مذہب میں سلام کرنے کا طریقہ جدا جدا ہے۔ عیسائی، یہودی، ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کے مطابق سلام کرتے ہیں۔ مگر یہ ہم لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ مذہب اسلام نے ہمیں جس طرح سلام کرنے کا طریقہ بتایا ہے وہ سب سے افضل ہے، جس کا مقابلہ کوئی دوسرا مذہب نہیں کر سکتا۔ ہمارے مذہب نے بچوں کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے بڑوں یعنی والدین، اساتذہ وغیرہ کو سلام میں پہل کریں۔

ہمارے مذہب اسلام میں کوئی بچہ یا بڑا کسی کو سلام کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے "تم پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔" دوسری طرف دیکھیں کہ انگریز صبح کو صبح بخیر کہتے ہیں گویا شام کو بے شک وہ انسان بیمار ہو جائے یا اسے کچھ ہو جائے۔ مگر ہمارے سلام میں پورے دن اور رات کے لئے ایک طرح سے سلامتی اور

اللہ کی رحمت کی دعا ہوتی ہے۔ سلام کرنے کے بھی کئی آداب ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں کچھ یوں ارشاد فرمایا ہے۔

"اے نبیؐ! جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہیے "السلام علیکم"۔

"مندرجہ بالا آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے بالواسطہ امت کو یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان جب بھی مسلمان سے ملے تو محبت اور مسرت کے جذبات کا تبادلہ کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے سلامتی اور عافیت کی دعا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"تم لوگ جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ میں تمہیں وہ تدبیر کیوں نہ بتادوں جس کو اختیار کر کے تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔" (مشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس بھیجتے ہوئے یہ حکم دیا کہ جاؤ اور ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو۔ اور وہ سلام کے جواب میں جو دعا کریں اس کو غور سے سننا (اور محفوظ رکھنا) اس لئے کہ یہی تمہاری اور تمہاری اولاد کی دعا ہوگی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کے پاس پہنچے اور کہا "السلام علیکم" فرشتوں نے جواب میں کہا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" یعنی ورحمتہ اللہ کا اضافہ کر کے جواب دیا۔ (بخاری مسلم) قرآن مجید میں آیا ہے کہ فرشتے جب مومنوں کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو آکر سلام علیک کرتے ہیں۔

جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کیجئے، قرآن میں ہے۔

"پس جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو یہ دعائے خیر اللہ کی طرف سے تعلیم کی ہوئی بڑی ہی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔" چھوٹے بچوں کو بھی سلام کیجئے۔ یہ بچوں کو سلام سکھانے کا بہترین طریقہ بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کیجئے۔ اور کبھی

خدانخواستہ کسی سے ان بن ہوجائے تب بھی سلام کرنے اور صلح اور صفائی کرنے میں پہل کیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔" (ابوداؤد)

اگر آپ سواری پر چل رہے ہوں۔ تو پیدل چلنے والوں اور راہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے۔

"سواری پر چلنے والے پیدل چلنے والوں کو اور پیدل چلنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کرنے میں پہل کریں۔" (الادب المفرد)

ہمیں جب بھی کوئی سلام کرے تو نہایت خوش دلی اور خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ مسلمان بھائی کا حق ہے' اس حق کو ادا کرنے میں کبھی بخل نہ دکھایئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مسلمان پر مسلمان کے پانچ حق ہیں۔

☆ سلام کا جواب دینا۔

☆ مریض کی عیادت کرنا۔

☆ جنازے کے ساتھ جانا۔

☆ دعوت قبول کرنا۔

☆ چھینک کا جواب دینا۔

انڈے کی اچھل کود

انڈے کو گرم پانی میں پانچ یا سات منٹ تک خوب ابالیں۔ جب انڈا اچھی طرح ابل جائے تو ایک گلاس آدھا پانی سے بھر کر انڈے کو اس میں ڈال دیں۔ پھر اس گلاس میں اتنا سرکہ ڈالیں کہ گلاس بھر جائے اب اس گلاس کو چوبیس گھنٹے اسی طرح رکھیں پھر گلاس سے انڈا نکال کر اسے فرش پر ہلکے سے دے ماریں انڈا اچھلنا شروع کر دے گا۔

مرسلہ: ثمر محمود، لاہور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سواری پر تھا ہم جن جن لوگوں کے پاس سے گزرتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں السلام علیکم کہتے اور وہ جواب دیتے' وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے السلام علیکم ورحمتہ اللہ تو لوگ جواب دیتے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آج لوگ فضیلت میں ہم سے بہت بڑھ گئے۔" (الادب المفرد)

تو ساتھیو! دیکھا آپ نے کہ ہمارے مذہب میں سلام کرنے کی کتنی فضیلت اور اہمیت ہے۔ آپ بھی یہی کوشش کیا کریں کہ ہمیشہ سلام کرنے میں پہل ہو۔

فاتح

علی اکمل تصور

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں اور وہ فرش کو گھور رہا تھا۔ اس کے کانوں سے ایک تیز آواز ٹکرا رہی تھی۔

"تمہیں شرم آنی چاہئے ...... میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا نالائق لڑکا نہیں دیکھا......"

اس نے سر اٹھا کر ایک نظر بولنے والے کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا ابو......" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہر بار تم ایسے ہی کہتے ہو۔ لیکن اپنی خراب حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ تمہاری وجہ سے میرا نام بھی بدنام ہو رہا ہے۔"

"ابو اس بار معاف کر دیجئے۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا؟ اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔" اس کے ابو نے ایک پیار بھری نظر اس پر ڈالی، اور بولے۔

"دیکھو ایک بار غلطی ہو جائے تو سب ہی اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن بار بار کی جانے والی غلطیوں کو کوئی معاف نہیں کرتا۔ پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو جاتا ہے۔ اب ان صاحب سے معافی مانگو اور وعدہ کرو کہ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کرو گے۔" انہوں نے ایک ادھیڑ عمر آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

"انکل میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی مجھے معاف کر دیجئے۔" اپنے ابو کی بات سن کر اس نے سرسری انداز میں اس ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا....." اتنا کہہ کر اس نے ابو کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" ابو آگے بڑھے اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

"امید ہے کہ آپ بچے کی حرکت کو نظر انداز کر دیں گے۔"

"بچے تو شرارتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ بڑوں کا کام انہیں مناسب انداز میں سمجھانا ہوتا ہے۔ خیر اب میں چلتا ہوں۔" اس ادھیڑ عمر آدمی نے اتنا کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اچھا اب تم بھی جا کر ہوم ورک کرو....." ابو نے قدرے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا اور ایک کتاب کھول کر بیٹھ گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کمرے میں سے باہر نکلا اور پھر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے چھت پر چلا آیا۔ چھت پر اس کا ایک ہم عمر لڑکا موجود تھا۔

"ناصر وہ آدمی چلا گیا؟" چھت پر موجود لڑکے نے سوالیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"ہاں یار جان چھوٹ گئی..... شکر ہے کہ اس بار بھی ابو سے مار نہیں پڑی۔"

"ویسے یار مزا بہت آیا تھا۔ جب ہم نے چھت پر سے اس آدمی پر پانی پھینکا تھا تو کم از کم مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ یوں شکایت لگانے کے لئے تمہارے ابو کے پاس چلا آئے گا۔" وہ تیزی سے کہتا چلا گیا۔

"چلو کوئی بات نہیں..... اگلی بار احتیاط کریں گے۔" ناصر نے بے فکری کے انداز میں کہا۔ اور پھر جلدی سے بولا۔

"اب تم اپنے گھر جاؤ اور میں اپنے کمرے میں جا کر اسکول سے ملنے والا کام کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ کل شام ملاقات ہوگی....." اتنا کہہ کر وہ ناصر کے مکان کی چھت پر سے ہوتا ہوا ایک دوسرے مکان کی چھت پر اتر گیا۔ ناصر نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنا اسکول بیگ کھولا اور پھر ایک کتاب اور نوٹ بک نکال لی۔ پھر اپنی کتاب کھول کر چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر کتاب کو بند کر کے ایک طرف ڈال دیا۔ اور اپنے کمرے میں سے باہر نکل آیا۔

سامنے صحن میں اس کی خوبصورت سی سائیکل موجود تھی۔ اس نے اپنی سائیکل نکالی۔ اور گھر کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر سڑک پر آ گیا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔

پندرہ منٹ تک تیزی سے سائیکل چلانے کے بعد وہ شہر سے باہر ایک بستی میں پہنچ گیا۔ اور پھر ایک گلی کا موڑ مڑنے کے بعد وہ ایک نیم پختہ مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں ایک طرف دیوار کے ساتھ اس نے اپنی سائیکل کھڑی کر دی اور پھر مکان کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

"کون ہے ..... آتی ہوں۔" ایک نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور پھر چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے سامنے ایک ادھیڑ عمر عورت موجود تھی۔

"بیٹے تم کون ہو اور تمہیں کس سے ملنا ہے.....؟" اس عورت نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"میں عادل کا دوست ہوں۔ میرا نام ناصر ہے۔ مجھے عادل سے ملنا ہے۔" اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

"آجاؤ بیٹے ..... اندر آجاؤ .....۔" اس عورت نے دروازے کے پاس سے ہٹتے ہوئے کہا۔ اور ناصر مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

"بیٹے تم یہاں بیٹھو میں عادل کو بلاتی ہوں....." وہ اتنا کہہ کر مکان کے اندرونی حصے میں چلی گئی اور ناصر ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔

سامنے دیوار پر عادل اور اس کے ابو کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اور ایک کونے میں لکڑی کے تخت پوش پر ایک جاء نماز بچھی ہوئی تھی۔

"ناصر خیریت تو ہے نا....." اچانک ایک نرم سی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ہاں ..... ہاں خیریت ہے....." وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو ناصر اور اطمینان سے بتاؤ کہ بات کیا ہے۔" عادل نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"عادل تم نے اسکول سے ملنے والا ریاضی کا کام کر لیا ہے نا....." اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.....۔" عادل نے مختصراً جواب دیا۔

"تو پھر اپنی نوٹ بک مجھے دے دو۔ صبح اسکول میں مجھ سے واپس لے لینا....." وہ کہتا چلا گیا۔ اس کی بات سن کر عادل اٹھا اور اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ریاضی کی نوٹ بک موجود تھی۔ نوٹ بک ناصر کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا۔

"ناصر یہ سب عارضی سہارے ہیں۔ اس بار تو تم میری کاپی سے مدد لے لو۔ لیکن اگلی بار کوشش کرنا کہ تم تمام سوالات خود حل کرو.....۔"

"میں ایسے ہی کروں گا....." اتنا کہتے ہوئے ناصر اٹھا۔ عادل کے ہاتھ سے اس کی کاپی جھپٹی اور پھر عادل سے ہاتھ ملاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی وہی ادھیڑ عمر عورت کمرے میں آگئی۔

"بیٹے عادل تمہارے اس دوست کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" انہوں نے کہا۔

"امی یہ آج پہلی بار گھر آیا ہے۔" عادل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

ناصر عادل کے گھر سے نکلا۔ اس نے نوٹ بک سائیکل کے کیریئر میں پھنسائی اور پھر اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں عادل کے الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے اپنی نوٹ بک ناصر کو دیتے ہوئے کہے تھے۔

"یہ سب عارضی سہارے ہیں اگلی بار کوشش کرنا کہ تمام سوالات تم خود حل کرو....."

"عادل کے بچے تو کل اسکول پہنچ لے۔ تمہاری نصیحت کا جواب تمہیں اسکول میں مل جائے گا۔" اس نے اپنے دل ہی دل میں ایک ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

"گھر پہنچ کر اس نے اپنی سائیکل ایک طرف کھڑی کی اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پھر وہ اپنی کاپی اور قلم نکال کر بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس نے عادل کی کاپی سے تمام سوالات اپنی کاپی پر منتقل کر لئے اور پھر اپنی کاپی اور قلم ایک طرف رکھ دیئے۔

"تم نے مجھے نصیحت کی تھی۔ اب دیکھنا میں کیا کرتا ہوں....." زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے عادل کی کاپی سے وہ تمام صفحات پھاڑ کر علیحدہ کر دیئے۔ جن پر عادل نے ہوم ورک کیا تھا۔ اور پھر عادل کی کاپی اپنے اسکول بیگ میں ڈال دی۔ اب وہ بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا اور اپنے دوستوں سے کھیلنے کے لئے ریلوے پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن اسکول میں دعا سے فارغ ہو کر جیسے ہی تمام لڑکے کلاس روم میں پہنچے تو ناصر نے عادل کی کاپی اس کے حوالے کر دی۔ عادل نے کاپی اپنے بیگ میں رکھ لی اور اطمینان سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اسی وقت استاد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ فوراً ہی سب لڑکے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے حاضری رجسٹر نکالا اور پھر تمام لڑکوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے۔

حاضری لینے کے بعد انہوں نے سب لڑکوں کو ہوم ورک نکالنے کی ہدایت کی۔ اور پھر پہلی قطار سے کاپیاں چیک کرنے لگے۔

عادل نے اپنی کاپی نکالی اور پھر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ کاپی میں ہوم ورک والے صفحات موجود نہیں ہیں۔ اس نے سر گھما کر بے بسی سے ناصر کی طرف دیکھا۔ ناصر اس کی پچھلی نشست پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ عادل نے اپنا سر جھکا لیا۔

"عادل اپنی کاپی دکھاؤ....." استاد صاحب

ننھا چوہا

افریقہ میں ایک ننھا چوہا پایا جاتا ہے جو صرف چند انچ کا ہوتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر اس پر دو من کا آدمی کھڑا ہو جائے تو اسے کچھ نہیں ہوتا۔

مرسلہ: محمد اختر سردار، کسووال۔

نے عادل کے پاس رکتے ہوئے کہا۔

"سر میں ہوم ورک نہیں کر سکا....." عادل نے نرمی سے کہا۔

"پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا..... خیر کل تم اپنا ملنے والا ہوم ورک اور پرانا ہوم ورک کر کے لاؤ گے ....."

"ٹھیک ہے سر....." عادل خوش ہو گیا۔ اور ناصر تلملا کر رہ گیا۔

ہوم ورک چیک کرنے کے بعد استاد صاحب تختہ سیاہ کے پاس آئے اور بولے۔

"سب لڑکے اپنی اپنی کاپیاں اور قلم نکال لیں۔ میں جو کچھ لکھوں گا وہ آپ لوگ بھی لکھیں گے۔" اتنا کہہ کر وہ تختہ سیاہ پر ایک سوال لکھنے لگے۔ اور پھر پندرہ منٹ بعد جیسے ہی پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی۔ استاد صاحب کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے باہر جاتے ہی ناصر نے اپنے ہاتھوں میں موجود قلم کو اپنی مٹھی میں پکڑا اور پھر قلم کی نوک کا رخ عادل کی طرف کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو لگاتار دو تین جھٹکے دے ڈالے۔ قلم سے نیلی سیاہی قطروں کی شکل میں نکلی اور عادل کے کپڑوں کو رنگدار بنا گئی۔

کلاس میں موجود تمام لڑکے حیرت سے ناصر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے عادل کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنے اسکول بیگ میں سے سیاہی سے بھری دوات نکالی۔ اور آہستہ آہستہ اس کا ڈھکن کھولا۔ ناصر کے چہرے پر اچانک ہی خوف کے تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔ عادل نے ہاتھ میں موجود سیاہی کی دوات آگے بڑھائی اور نرم لہجے میں ناصر سے کہا۔

"ناصر تمہارے قلم میں سیاہی ختم ہو گئی ہو گی۔ نئی بھر لو....." اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے قلم میں سیاہی بھری۔ اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔ اس کا جھکا ہوا سر اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ زندگی میں شاید پہلی بار وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہوا ہے۔

"مجھے معاف کر دو عادل....." اچانک ہی ناصر نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور اپنا داہنا ہاتھ عادل کی طرف بڑھا دیا۔ عادل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور پھر وہ اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ کلاس روم میں موجود تمام لڑکے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی دونوں انگلیاں کھڑی کرتے ہوئے وکٹری کا نشان بنایا اور فضا میں اپنے ہاتھ کو لہرانے لگا۔ کلاس میں موجود تمام لڑکے ایک لمحے کے لئے مسکرائے اور پھر ان کے ہاتھ بھی فتح یابی کا اعلان کرتے ہوئے فضا میں لہرانے لگے۔ عادل کے تحمل اور برداشت نے اسے ایک عظیم فتح سے ہم کنار کر دیا تھا۔

دوستی کے رنگ

کھیلیں ساتھ ساتھ

سوئیں شک شک

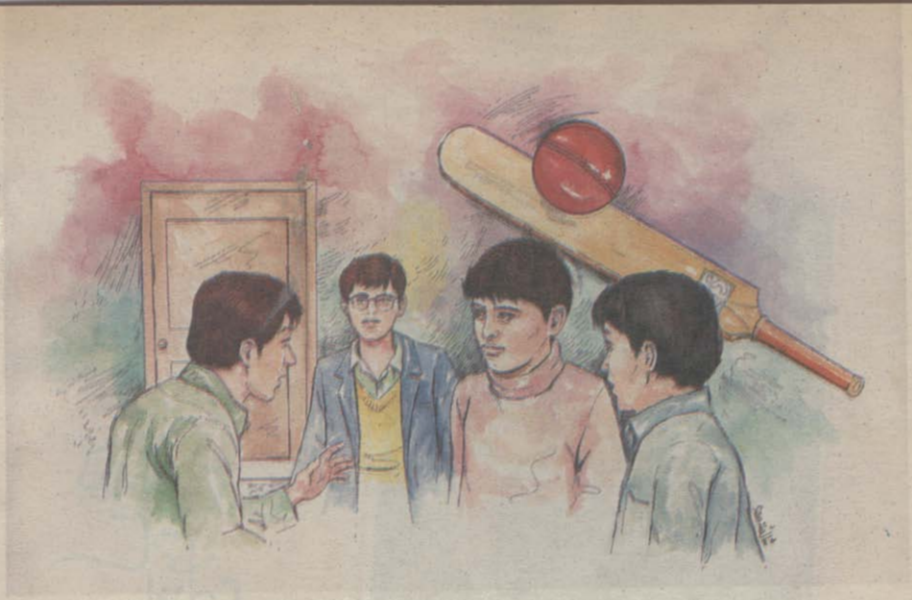

اچھے بھائی بنے کیسے؟

پروفیسر عنایت علی خان

جمیل :۔ السلام علیکم۔ بھائی عبداللہ! کہاں سے آرہے ہو کھوئے کھوئے سے؟

عبداللہ :۔ وعلیکم السلام، بھائی جمیل میں ذرا سلیم کے پاس گیا تھا اردو کی کاپی لینے بلکہ پہلے تو تمہارے ہی پاس آیا تھا۔ تم نہیں ملے تو سوچا سلیم سے لے آؤں میں پرسوں اسکول نہیں آیا تھا نا تو ماسٹر صاحب نے کہا تھا کسی ساتھی سے کاپی لے کر کام پورا کرلوں۔

جمیل :۔ ارے میں تو تھوڑی دیر کے لئے چچا جان کے گھر گیا تھا صبح تم کلاس میں کہہ دیتے تو وہیں دے دیتا۔ پھر سلیم نے دی نہیں کاپی؟

عبداللہ :۔ کہاں دی کھیلنے جا رہا تھا۔ کہنے لگا جلدی میں ہوں دو گھنٹے بعد آکے لے لینا۔

جمیل :۔ کھیلنے جانے کی اتنی جلدی تھی؟

عبداللہ :۔ ہاں میں نے کہا بھی کہ کاپی دینے میں کتنی دیر لگے گی، بولا کہ گراؤنڈ میں وقت پر پہنچنا

ہے۔ میں کپتان ہوں۔ جو لڑکے دیر میں آئیں گے ان پر جرمانہ کروں گا۔ میں نے کہا میں بھی کھیلنے چلوں، بولا نہیں ہمارے محلے کی ٹیم ہے بس محلے ہی کے لڑکے کھیلیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں بھی اپنے محلے کی ٹیم بناؤں گا اور تم سے بھی اچھی بناؤں گا۔ پھر تم سے میچ کھیلوں گا اور تمہیں ہراؤں گا۔

جمیل :۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اپنے اپنے محلے کی الگ ٹیم بنائیں گے۔ بلّا تو میرے پاس رکھا ہے۔ بال چندہ کر کے لے آئیں گے۔

عبداللہ :۔ اور وکٹیں لوہے کی سریوں کی بنوالیں گے۔ مگر کپتان میں بنوں گا!

جمیل :۔ بلا تو میرا ہوگا، بلا ہی تو قیمتی ہوتا ہے۔ بلے والے کو کپتان بننا چاہئے۔

عبداللہ :۔ مگر میں تو سلیم سے کہہ کر آیا ہوں کہ میں ٹیم بناؤں گا۔ مطلب ہے کہ میں کپتان بنوں گا۔ ارے ارے وہ جواد جارہا ہے اسے بھی ٹیم میں لے لیں گے وہ اسکول میں بھی کھیلتا ہے اس نے اسکول کے میچ میں ۲۵ رن بنائے تھے۔ جب دوسرے اسکول کی ٹیم سے میچ ہوا تھا۔ (آواز دیتا ہے) جواد بھائی! جواد بھائی! ذرا ادھر آیئے!

جواد :۔ اخاہ! یہ آپ دونوں یہاں کھڑے کیا باتیں کر رہے ہیں۔ چلیں میرے گھر چلیں ناعصر کی چائے میرے ساتھ پیئیں۔

عبداللہ :۔ میں اور جمیل کرکٹ ٹیم بنانے کی سوچ رہے تھے اپنے محلے کی تم بھی اس میں شامل ہو گے نا؟

جمیل :۔ پھر سہیل والوں سے میچ کھیلیں گے۔

عبداللہ :۔ تم ان کے بولروں کی خوب پٹائی کرنا، تم بہت اچھی بیٹنگ کرتے ہو نا! تم نے پچیس رن بنائے تھے نا!

جواد :۔ اور کیا میں تو اچھے اچھوں کی پدی کرادوں گا۔ مگر اپنی ٹیم میں ہوگا کون کون؟

عبداللہ :۔ یہ جمیل بھائی ہوں گے، تم ہوگے، نعیم کو لے لیں گے، عثمان کو لے لیں گے۔

جمیل :۔ میں اپنے چھوٹے بھائی خلیل کو بھی لے آؤں گا بھائی جان کو بھی راضی کرلوں گا، تین تو ہم ہو جائیں گے۔ عبداللہ چار، تم پانچ نعیم اور عثمان چھ اور سات! گیارہ ہونے چاہئیں نا؟

عبداللہ :۔ ایک بارہواں کھلاڑی چاہئے اور ایک اسکور لکھنے والا کل تیرہ لڑکے چاہئیں۔

جواد :۔ لڑکے تو بہت ہو جائیں گے۔ مگر اسٹور یعنی سامان کہاں سے آئے گا؟ بیٹ تو بہت مہنگے ہیں۔

عبداللہ :۔ بلّا تو جمیل کے پاس ہے۔

جمیل :۔ مگر پھر کپتان میں بنوں گا!

عبداللہ :۔ کپتان بلے سے بنتے ہیں کیا؟ ٹیم

بنانے کو تو میں نے کہا ہے، مجھے بننا چاہئے کپتان تو۔

جواد :۔ اناڑی، اناڑی کپتان بن گئے تو ٹیم جیت چکے۔ کپتان تو اچھے کھلاڑی کو بننا چاہئے نا۔ میاں داد نہیں بنا ہے کپتان؟

عبداللہ :۔ مگر ٹیم تو میں بنا رہا ہوں۔

جمیل :۔ اور میں بلا نہیں لاؤں تو؟

عبداللہ :۔ چندہ کر کے لے آئیں گے بلا، تم مت دینا۔

جواد :۔ بلا تو بہت مہنگا آتا ہے اتنا چندہ کہاں سے آئے گا۔ مجھے تو جیب خرچ کے بس آٹھ آنے ملتے ہیں۔

عبداللہ :۔ کتنے روپے کا آتا ہے بلا؟

جمیل :۔ دو سو روپے کا آتا ہے! اتنا چندہ جمع ہو جائے گا؟

جواد :۔ اونہوں! اتنا کہاں سے ہو گا۔

جمیل :۔ تو پھر کپتان مجھے بنالو۔

جواد :۔ اور میچ میں کپتان صاحب انڈا لے کر آئیں گے۔

جمیل :۔ وہ تو میں سیکھ جاؤں گا۔ پھر کیوں انڈا لاؤں گا۔

عبداللہ :۔ اچھا ایسا کرتے ہیں پرچی نکال لیتے ہیں۔ جس کی قسمت میں آجائے۔

جمیل :۔ واہ واہ، پرچی سے کیا ہوتا ہے بلا تو میرا ہو گا۔

عبداللہ :۔ چلو جی ہم سستا سا بلا لے لیں گے چندہ کر کے تم اپنا مہنگا بلا اپنے پاس رکھو اچھا کھلاڑی تو سستے بلے سے بھی رن بنا سکتا ہے۔ میں رن بنا کے بتلاؤں گا۔

اچھے بھائی :۔ السلام علیکم! آپ لوگ یہ سڑک پر کھڑے کیا اسکیم بنا رہے ہیں؟

تینوں :۔ وعلیکم السلام!

عبداللہ :۔ اچھے بھائی ہم کرکٹ ٹیم بنانے کی سوچ رہے ہیں۔

جمیل :۔ میرے پاس بلا ہے، گیند چندے سے خرید لیں گے۔

عبداللہ :۔ سات لڑکے تو ہو گئے ہیں۔ آپ بھی ٹیم میں شامل ہو جائیں۔ کل تیرہ پلیئر چاہئیں۔

اچھے بھائی :۔ مگر کیا یہاں سڑک پر کھڑے کھڑے ہی ٹیم بنالو گے، چلو میرے گھر چل کر بیٹھو میں امی سے چائے بھی بنوالوں گا۔ وہاں باتیں ہوں گی۔

تینوں :۔ چلو! (چلنے لگتے ہیں)

جمیل :۔ اچھے بھائی۔ کپتان تو بلے والے کو بننا چاہئے نا؟

عبداللہ :۔ ٹیم بنانے کو تو میں نے کہا ہے، مجھے بننا چاہئے کپتان۔

جواد :۔ کھیلنا آئے یا نہیں آئے۔

اچھے بھائی :۔ کپتان کا معاملہ بھی طے ہو جائے گا۔ ذرا اندر تو چل کر بیٹھو۔ میں ادھر سے جا کر مردانہ کمرہ کھولتا ہوں، آپ لوگ اُدھر آئیں۔

(دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز)

عبداللہ :۔ بس پرچی ڈال لیں گے۔

جواد :۔ کھیلنا بھی پرچی ڈال کے سیکھ لینا۔

جمیل :۔ بیٹ اچھا ہو گا تو شارٹ بھی شان دار لگے گا۔

اچھے بھائی :۔ (دروازہ کھلنے کی آواز) آیئے، اندر آجایئے! بیٹھیے! جوتے بھی اندر ہی اتاریے!

عبداللہ :۔ اچھے بھائی آپ ہماری ٹیم میں آئیں گے نا؟

جواد :۔ مگر کپتان کا فیصلہ کرنا ہو گا۔

اچھے بھائی :۔ کپتان کا کیا فیصلہ کرنا ہو گا؟

جواد :۔ یہ کہ کپتان کون بنے گا؟

عبداللہ :۔ میں کہہ رہا ہوں جھگڑا ختم کریں، پرچی ڈال لیں جس کے نام نکل آئے وہی بن جائے کپتان، قسمت پہ ہے۔

جمیل :۔ بیٹ تو میرا ہو گا۔ مجھے کپتان بننا چاہیے۔

جواد :۔ چاہے آپ کو کھیلنا آتا ہی نہ ہو۔ انڈا ہی لائیں۔

اچھے بھائی :۔ (ہنستے ہوئے) اچھا تو کپتان پر جھگڑا ٹیم بننے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔

عبداللہ :۔ پرچی ڈال لیں، جھگڑا ختم ہو جائے گا جس کی قسمت میں.....

اچھے بھائی :۔ نہیں بھئی پرچی کا معاملہ تو ٹھیک نہیں، کپتان تو سب کھلاڑیوں کے مشورے سے بننا چاہیے۔

جواد :۔ سب کھلاڑی تو اسے بنائیں گے جو سب سے اچھا کھیلتا ہو۔ اپنے محلے میں تو میں ہی سب سے اچھا کھیلتا ہوں میں نے اسکول میں سب سے زیادہ رن بنائے تھے نا پچیس۔

اچھے بھائی :۔ ہاں تمہاری بیٹنگ تو اچھی ہے۔

جمیل :۔ مگر بولنگ تو اچھے بھائی آپ بہت تیز کراتے ہیں۔ اس دن نہیں کرائی تھی آپ نے، میرے بھائی جان کو آؤٹ کیا تھا؟

اچھے بھائی :۔ ہاں، کر تو لیتا ہوں میں بولنگ۔ مگر مجھے کپتان بننے کا شوق نہیں۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ سب سے پہلے میدان میں پہنچنا۔ سب کھلاڑیوں سے برابر کا سلوک کرنا، یہ نہیں کہ سب سے پہلے خود بیٹنگ لے لیں پھر اپنے دوستوں کو دیں پھر دوسروں کو۔ کسی کو بیٹنگ ملے کسی کو نہیں ملے۔ پھر کپتان کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ بھی نہیں آنا چاہیے کہ ذرا کسی سے ناراض ہوئے اور ٹیم سے نکال دیا۔ میدان صاف کرنے میں کسی سے زیادہ کام لیا کسی سے کام ہی نہیں لیا،

کسی سے چندہ لیا کسی سے نہیں لیا۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ کپتان کو سب کھلاڑیوں سے بڑے بھائی جیسا سلوک کرنا چاہئے۔

جمیل :۔ بڑے تو ہم میں آپ ہیں اونچی کلاس میں بھی پڑھتے ہیں۔

عبداللہ :۔ آپ کا سلوک بھی اچھا ہے۔ ابھی ہمیں چائے پلانے لائے ہیں۔ آپ اپنے گھر۔

اچھے بھائی :۔ لو بولو! تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خود کپتان بننا چاہ رہا ہوں۔ اگر یہ باتیں کل ہو رہی ہوتیں تو ممکن تھا میں بھی تمہاری طرح خود کپتان بننے کی خواہش کرتا۔

عبداللہ :۔ کپتان کے مزے ہوتے ہیں نا۔

جمیل :۔ مزے تو ہوتے ہیں، حکم جو چلاتا ہے۔

جواد :۔ بات تو سنو اچھے بھائی کی، ہاں اچھے بھائی آپ کہہ رہے تھے کہ اگر کل بات ہو رہی ہوتی تو میں بھی کپتان بننے کی خواہش کرتا۔ آج کیا بات ہوگئی! آج آپ کیوں خواہش نہیں کر رہے؟

اچھے بھائی :۔ بات یہ ہے کہ آج دینیات کے گھنٹے میں سر نے ایک حدیث سنائی۔

جمیل :۔ دینیات کے گھنٹے میں سر نے؟ سر پڑھاتے ہیں دینیات؟

اچھے بھائی :۔ اور کون پڑھائے گا؟

جمیل :۔ میرا مطلب ہے دینیات تو مولوی صاحب پڑھاتے ہیں نا؟

اچھے بھائی :۔ تو کیا مولوی صاحب کو سر نہیں کہا جاسکتا؟ سر بھی عزت کا لفظ ہے مولوی صاحب بھی۔

جواد :۔ یہ بات چھوڑیئے آپ وہ حدیث سنایئے جس کی وجہ سے آپ کپتان نہیں بن رہے۔

اچھے بھائی :۔ سر نے بتلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عہدے کی خواہش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کام اسی پر چھوڑ دیتا ہے لیکن دوسرے لوگ اسے عہدہ دیں تو وہ کام کے انجام دینے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

عبداللہ :۔ اس کے معنی ہیں ہم میں سے کسی کو بھی کپتان بننے کی خواہش نہیں کرنی چاہئے۔

جمیل :۔ چاہے بلا بھی اسی کا ہو؟

عبداللہ :۔ بلے سے کیا ہوتا ہے۔ جب حدیث میں آیا ہے کہ عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہئے۔ تو بس نہیں کرنی چاہئے۔

جمیل :۔ مگر اچھے بھائی آپ نے یہ کہا نا کہ عہدے کی خواہش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ منع تو نہیں کیا ہے

خواہش کرنے سے۔

اچھے بھائی :۔ ہاں صاف الفاظ میں منع تو نہیں کیا گیا ہے۔ مگر مطلب تو یہی ہے نا کہ جب اللہ تعالیٰ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دے گا۔ اور اس کی مدد نہیں کرے گا۔ تو اللہ کی مدد کے بغیر تو کوئی کام پورا ہو ہی نہیں سکتا وہ تو اس کام میں ناکام ہو کر رہے گا۔

عبداللہ :۔ تو اچھے بھائی اس طرح تو آپ ہی کو کپتان بننا چاہئے۔

اچھے بھائی :۔ کس طرح؟

عبداللہ :۔ اس طرح کہ ہم تینوں نے تو کپتان بننے کی خواہش کرلی ہے۔ ہماری تو اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرے گا۔ آپ نے خواہش نہیں کی ہے۔ آپ کو ہم بنائیں گے تو.....

جواد :۔ ہاں اچھے بھائی آپ بن جائیں۔ آپ کی تو اللہ تعالیٰ مدد کرے گا نا۔

اچھے بھائی :۔ ہاں ایسے آدمی کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے مگر ضروری ہے کہ وہ آدمی خود بھی صحیح کام کرے۔

جمیل :۔ آپ تو صحیح کام کریں گے..... سب کو برابر کی باری دیں گے۔ بیٹنگ کی بھی بالنگ کی بھی۔

اچھے بھائی :۔ میں بن تو جاؤں مگر ایک بات تو یہ ہے ٹیم میں جو دوسرے لڑکے آئیں وہ بھی مجھے بنانے پر راضی ہوں..... دوسرے یہ کہ.....

عبداللہ :۔ دوسرے کیا اچھے بھائی.....

اچھے بھائی :۔ دوسرے یہ کہ جب میں صحیح بات کہوں تو سب لوگ میرا کہنا مانیں، میں گراؤنڈ صاف کروں تو سب میرا ساتھ دیں۔ گراؤنڈ میں لڑیں جھگڑیں نہیں۔ وقت پر کھیل شروع کریں یعنی نماز عصر کے بعد اور مغرب کی نماز ہوتے ہی ختم کر دیں چاہے کسی کی باری رہ جائے۔ اور کھیل میں کوئی بے ایمانی نہ کرے۔ ایل بی ڈبلیو ہو جائے تو مان لے۔ اور سب اپنے امی ابو سے اجازت لے کر ٹیم میں شامل ہوں اور وقت پر چندہ دیں۔

جواد :۔ یہ سب باتیں ہمیں منظور ہیں۔

عبداللہ :۔ اور اچھے بھائی ایک بات اور..... کہ کوئی اپنے بلے پر اترائے نہیں....

اچھے بھائی :۔ کوئی بلے پر اترائے گا تو ہم چندے سے دوسرا بلا خرید لیں گے۔

جمیل :۔ نہیں نہیں اچھے بھائی آپ کپتان بنیں گے تو میں اپنا بلا ضرور دے دوں گا۔

جواد :۔ تو آپ بن رہے ہیں نا کپتان؟

اچھے بھائی :۔ آپ لوگ کہتے ہیں تو بن جاتا ہوں۔

جمیل :۔ اچھے بھائی بنے کپتان

عبداللہ :۔ جیوے جیوے پاکستان

صراطِ مستقیم

محمد جنید ہارون لاکھانی

میں سوچ میں کھویا رہتا تھا میں فکر میں ڈوبا رہتا تھا
کیونکر ہے تعصب صوبوں کا؟ کیوں زور ہے فرقہ بندی کا؟
پنجابی کوئی اور سندھی کوئی ہے شیعہ کوئی اور سُنّی کوئی
اسلام ہماری دُنیا ہے اسلام ہماری عقبیٰ ہے
اسلام ہمارا فرقہ ہے اسلام ہمارا صوبہ ہے
اخلاق ہماری طاقت ہے ایمان ہماری دولت ہے
تنظیم ہماری عزّت ہے یہ پاک نبیؐ کی اُمّت ہے

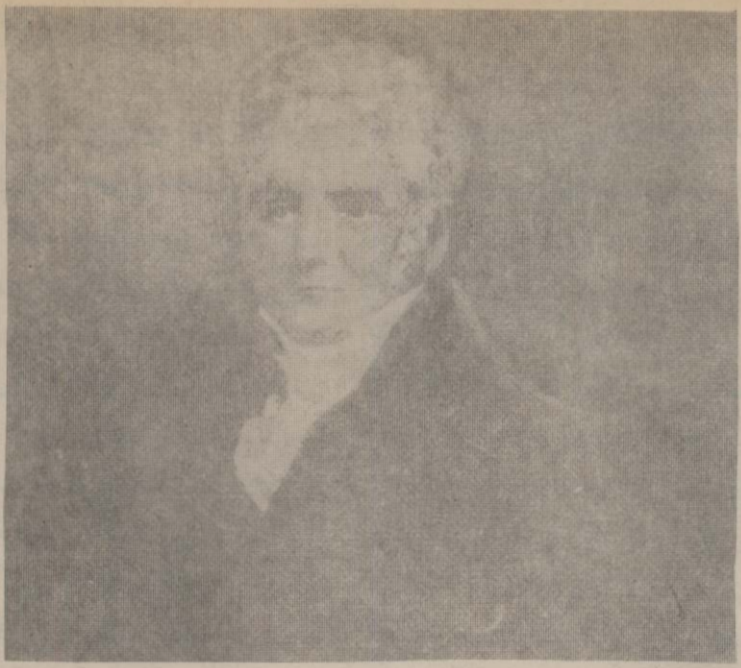

اردو زبان و ادب کا برطانوی محسن

ڈاکٹر جان گل کرسٹ

ڈاکٹر اسلم فرخی

یہ بات اب سے دو سو برس سے بھی پہلے کی ہے۔ ایک برطانوی نوجوان قسمت آزمائی کے لئے برصغیر پہنچا اور بمبئی کے شہر میں جہاز سے اترا۔ اس نوجوان کا نام جانِ گل کرسٹ تھا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈن برا میں پیدا ہوا تھا۔ وہیں پلا بڑھا۔ تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ شہر کے ایک ہسپتال میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ تعلیم حاصل کرلی تو روزگار کی فکر ہوئی۔ آج کل جس طرح ہمارے نوجوان ملازمتوں کے شوق میں دوسرے ملکوں کی راہ لیتے ہیں اس زمانے میں یورپ اور برطانیہ کے نوجوان ملازمتوں کے شوق میں برصغیر کا رخ کیا کرتے تھے۔ مگر یہ نوجوان

غرب الہند گیا۔ وہاں کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو برصغیر آگیا۔

اس عہد میں برصغیر پر بظاہر مغل حکمرانی کررہے تھے مگر مغلوں کی حکومت دلی تک محدود تھی۔ مختلف علاقے راجاؤں، نوابوں اور سرداروں کے قبضے میں تھے۔ یہ سب ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ آپس کی لڑائیوں اور نااتفاقیوں سے کمزور ہوگئے تھے۔ یہ دیکھ کر انگریزوں کی ایک تجارتی کمپنی نے جس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا ملک کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا اور وہی اصل حاکم بن گئی تھی۔ اس کی فوجیں تھیں۔ انتظام کرنے کا عملہ تھا۔ کلکتہ اس کمپنی کا صدر مقام تھا۔ وہیں کمپنی کا سب سے بڑا افسر رہتا تھا۔ اور ملک کا انتظام سنبھالتا تھا۔

بمبئی آتے ہی گل کرسٹ کو فوج میں ڈاکٹر کی نوکری مل گئی۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں ڈاکٹر ہوگیا۔ مگر یہ گل کرسٹ عجیب سا آدمی تھا۔ اسے ڈاکٹری سے زیادہ برصغیر کی زبان سیکھنے سے دلچسپی تھی۔ بعض لوگوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے۔ شوق ہوتا ہے کہ جہاں جائیں وہاں کی زبانیں سیکھ لیں اور بولنے لگیں۔ یہی شوق گل کرسٹ کو بھی تھا۔ مگر وہ صرف زبان سیکھ کر بولنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ برصغیر کی زبان، جسے اس نے مورس کا نام دیا تھا (مور کا لفظ یورپ والے ایک زمانے میں مسلمانوں کے لئے استعمال کرتے تھے اور ان کی زبان کو مورس کہتے تھے) سیکھے اور اس زبان میں مہارت حاصل کرکے ایسی کتابیں لکھ دے جن کی مدد سے انگریز اور دوسری قوموں کے لوگوں کو یہ زبان سیکھنے کی سہولت ہو۔ گل کرسٹ نے بڑی محنت سے اردو زبان پڑھنا شروع کردی۔ استاد بھی پڑھاتے تھے خود بھی محنت کرتا تھا۔ شوق بھی تھا۔ بہت جلد زبان سے واقفیت ہوگئی۔

ہم لوگ آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ اردو لکھتے اور بولتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے بھی زبان کی قواعد یا لغت کا خیال نہیں آتا مگر غیر ملکیوں کو زبان سیکھنے کے لئے اس کی قواعد سیکھنا پڑتی ہے۔ یعنی زبان بولنے اور لکھنے کے اصولوں کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں عام اسکولوں میں انگریزی قواعد اسی لئے پڑھائی جاتی ہے۔ گل کرسٹ نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اردو زبان کی کوئی ایسی قواعد یا لغت موجود نہیں ہے جو غیر ملکیوں کے لئے کار آمد ہو۔ یہ دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اردو سیکھتے ہی قواعد کی ایسی کتاب تیار کردے گا جس کی مدد سے غیر ملکی آسانی سے اردو سیکھ سکیں گے۔ گل کرسٹ اسی خیال میں تھا اور بڑی محنت سے اردو پڑھ رہا تھا کہ اس کی پلٹن کا تبادلہ فتح گڑھ ہوگیا جو اتر پردیش کے صوبے

میں انگریزوں کی ایک بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔

فتح گڑھ کا سفر ایک لمبا سفر تھا۔ مختلف علاقوں اور شہروں سے گزرنا پڑا۔ گل کرسٹ سارے سفر میں دیکھتا رہا کہ جہاں سے بھی گزر ہوتا لوگ اردو بولتے ہوئے ملتے۔ یہ دیکھ کر اسے اندازہ ہوگیا کہ اردو ہی برصغیر کی سب سے مقبول زبان ہے۔ اور اسے اس زبان کی لغت فوراً تیار کردینا چاہئے۔

فتح گڑھ پہنچ کر گل کرسٹ نے اپنی کتاب کا منصوبہ بنایا' تیاری کی۔ کام شروع کیا مگر یہ اندازہ ہوا کہ دن بھر مریضوں کے ساتھ سر کھپاتے رہنے میں یہ کام صحیح طریقے سے نہیں ہوسکے گا۔ یہ سوچ کر سال بھر کی چھٹی لے لی۔ مختلف شہروں میں گھوما پھرا۔ وہاں کے لوگوں سے ملا جلا' کلکتہ گیا۔ وہاں کے بڑے افسروں سے بات کی۔ انہیں اپنی کتاب کے بارے میں بتایا۔ کتاب کی چھپائی کا انتظام کیا۔ نوکری چھوڑ دی۔ یہ سوچا کہ نیل کی کاشت کرو۔ اس میں بڑا فائدہ ہے۔ ایک اور انگریز سے ساجھا کرلیا۔ مشرقی اترپردیش میں ایک چھوٹا سا شہر ہے غازی پور۔ نیل کی کاشت کے لئے مشہور تھا۔ وہیں زمین خرید لی۔ کاشت کاری شروع کردی۔ ساتھ ساتھ کتاب کا کام بھی ہوتا رہا۔ ۱۷۸۶ء میں لغت کا پہلا حصہ چھپ کر شائع ہوگیا۔ گل کرسٹ کو بڑی خوشی ہوئی' نام بھی ہوا۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ گل کرسٹ بھی اردو زبان کا ایک عالم ہے۔ ۱۷۹۰ء میں دوسرا حصہ شائع ہوا۔ دونوں حصوں پر گل کرسٹ نے بڑی محنت کی تھی۔ خون پسینہ ایک کیا تھا۔ لغت کی قدر بھی بہت ہوئی۔ اب گل کرسٹ نے اردو زبان کی قواعد لکھنے کی ٹھانی۔ اس میں لگ گئے۔ دراصل آدمی وہی ہے جو کام کرتا رہے اور اپنے کام سے بڑائی حاصل کرے۔

علمی کام تو زور شور سے ہوتا رہا مگر کاشت کاری اور تجارت میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شروع شروع میں حالات بہت اچھے رہے لیکن بعد میں یہ گھاٹے کا سودا بن گیا۔ نقصان پہ نقصان ہوتا گیا۔ گل کرسٹ کے ساجھی بددل ہوکر وطن لوٹ گئے۔ گل کرسٹ نے بھی غازی پور میں سات برس گزارنے کے بعد کلکتے کا رخ کیا اور وہیں آباد ہوگئے۔

یہ گل کرسٹ کی زندگی کا نیا دور تھا۔ کلکتے آنے کے بعد انہوں نے قواعد کی کتاب مکمل کی۔ ۱۷۹۶ء میں یہ کتاب بھی چھپ گئی۔ اب گویا غیر ملکیوں کی اردو سیکھنے کے لئے دو بنیادی کتابیں تیار ہوگئیں۔ ایک لغت اور دوسری قواعد۔ زبان سیکھنے کے لئے انہیں دو کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کتابوں سے گل کرسٹ کو بڑی شہرت ہوئی۔ اب اس نے اپنی لغت کا ایک ضمیمہ تیار کیا

یعنی بہت سے ایسے الفاظ جو لغت میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے انہیں ضمیمے میں شائع کیا اور پھر اپنی چوتھی کتاب "مشرقی زبان داں" شائع کی۔ اس کتاب میں اردو زبان کی قواعد اور انگریزی لفظوں کے معنی، عام فہم اور کار آمد بات چیت، قصے اور کچھ نظمیں تھیں۔ یہ کتاب غیر ملکیوں کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس سے انہیں برصغیر کی زبان، رسم و رواج اور رہن سہن سب کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کتاب کے ذریعے سے گل کرسٹ نے اردو زبان اور برصغیر کے معاشرے کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ہم لوگ اپنی زبان، تہذیب اور معاشرے سے واقف ہیں۔ گل کرسٹ نے جو ایک غیر ملکی تھا۔ ایک غیر ملکی زبان، تہذیب اور معاشرے سے واقفیت حاصل کی اور پھر غیر ملکیوں میں اس کا چرچہ کیا۔ انہیں زبان سکھائی اور یہاں کے طور طریقوں سے آگاہ کیا۔ یہ واقعی بہت بڑا کام ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی میں انگلستان سے انتظامی عملہ برابر آتا رہتا تھا۔ یہ لوگ نہ یہاں کی زبان سے واقف ہوتے تھے نہ طور طریقے جانتے تھے۔ گل کرسٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کی مدد سے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں انگلستان سے نئے آنے والوں کو اردو زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ کوئی ڈیڑھ برس تک جاری رہا۔

بہت سے انگریزوں نے یہاں اردو زبان سیکھی مگر پھر یہ ہوا کہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازموں کی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کردیا۔ فورٹ ولیم کالج اس کا نام ہوا۔ اور ڈاکٹر گل کرسٹ کو اس کالج میں اردو زبان کا پروفیسر مقرر کردیا۔

فورٹ ولیم کالج ایک بڑا کالج تھا مگر اس کو شہرت ملی اردو زبان و ادب کی ترقی سے۔ گل کرسٹ نے اس کالج میں رہ کر اردو زبان و ادب کی ایسی خدمت انجام دی جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ہوا یہ کہ اس زمانے میں شعر و شاعری کی کتابیں تو تھیں مگر نثر میں ایسی کتابیں نہیں تھیں۔ جنہیں انگریز طالب علم آسانی سے پڑھ کر اردو سیکھ لیتے۔ اس زمانے کی نثر پر فارسی اور شعر و شاعری کی چھاپ بڑی گہری تھی۔ نثر بھی شعر کی طرح لکھی جاتی تھی۔ نثر لکھنے والے مشکل الفاظ استعمال کرتے۔ نثر کو شاعری کی طرح سجاتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے جس سے ان کا سمجھنا مشکل ہوجاتا تھا۔ گل کرسٹ نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اچھی نثر لکھنے والے ادیبوں کو کالج میں ملازم رکھ لیا اور ان سے فارسی، سنسکرت وغیرہ کی مشہور کتابیں بول چال کی زبان میں ترجمہ کرنے کو کہا۔ کام شروع ہوگیا ان ادیبوں نے جو کالج میں منشی کہلاتے تھے۔ گل

کرسٹ کی نگرانی میں کتابیں لکھیں۔ کالج کے یہ منشی اب ہمارے ادب کی مشہور شخصیتیں ہیں۔ ان میں میرامّن تھے، بہادر علی حسینی تھے، شیر علی افسوس تھے، حیدر بخش حیدری تھے، کاظم علی جوان تھے۔ ان سب نے کتابیں لکھیں۔ میرامّن نے باغ و بہار جیسی لازوال کتاب یہیں لکھی۔ بہادر علی حسینی نے اخلاق ہندی لکھی۔ افسوس نے باغِ اردو لکھی۔ حیدری نے طوطا کہانی اور آرائش محفل لکھی۔ جوان نے سنگھاسن بتیسی اور شکنتلا کا ترجمہ کیا۔ خوب کتابیں لکھی گئیں۔ آسان اور سلیس انداز میں لکھی گئیں۔ ان کی وجہ سے اردو نثر کا انداز بدل گیا۔ نثر کو بڑی ترقی ہوئی اور یہ سب گل کرسٹ کی نگرانی میں ہوا۔ اس کے مشوروں سے ہوا۔ اس نے کوشش کرکے ان لکھنے والوں کی کتابیں چھپوائیں اور لکھنے والوں کو کالج سے انعام بھی دلوائے۔ ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ دراصل گل کرسٹ کو اردو زبان سے بڑی محبت تھی اور وہ دن رات اس کی ترقی کی کوششیں کرتا رہتا تھا۔

کالج کے کام کے ساتھ ساتھ گل کرسٹ خود بھی کتابیں لکھتا رہا۔ اس نے چھوٹی بڑی سولہ کتابیں لکھی ہیں۔ ساری زندگی محنت کی اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ بہت بیمار ہوگیا۔ بیماری کی وجہ سے اس نے وطن واپس جانے کا فیصلہ کرلیا اور واپس چلا گیا۔ وطن میں بھی اس کے علمی کارناموں کی بڑی قدر ہوئی۔ اس کے شہر ایڈن برا کی یونیورسٹی نے اس کے علمی کارناموں کو پسند کیا اور اسے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی۔ اردو زبان اور ادب کی ساری تاریخوں میں اس کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں ملتا ہے۔

۱۷۸۲ء میں ایک نوجوان ڈاکٹر نے بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا تھا۔ اس وقت اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ برصغیر اور اس کی ہر چیز اس کے لئے اجنبی تھی۔ نیا دیس، نئے طور طریقے مگر جب ۱۸۰۴ء میں یعنی بائیس برس بعد وہ اجنبی ڈاکٹر کلکتہ سے ایڈن برا روانہ ہوا تو وہ اردو زبان کا عالم سمجھا جاتا تھا۔ زبان اور ادب کا محسن سمجھا جاتا تھا۔ میرامن نے باغ و بہار میں اسے "خداوند نعمت، صاحب مروت، نجیبوں کے قدر دان" لکھا اور صحیح لکھا کہ گل کرسٹ اپنی لگن، محنت اور خلوص کی وجہ سے اردو زبان و ادب کے معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

خوشبو دار اخبار

۳ فروری ۱۹۶۴ء کو لندن کا اخبار "سنڈے سن" ایسے کاغذ پر شائع ہوا تھا جس میں سے خوشبو نکل رہی تھی اس خوشبو کی وجہ یہ تھی کہ اس اخبار میں صابن بنانے والی کمپنی نے اپنے صابن کا اشتہار شائع کرایا تھا اور اخبار کے کاغذ میں اس صابن کی خوشبو شامل کر دی تھی۔

مرسلہ ..... غلام محمد بٹ وزیر آباد۔

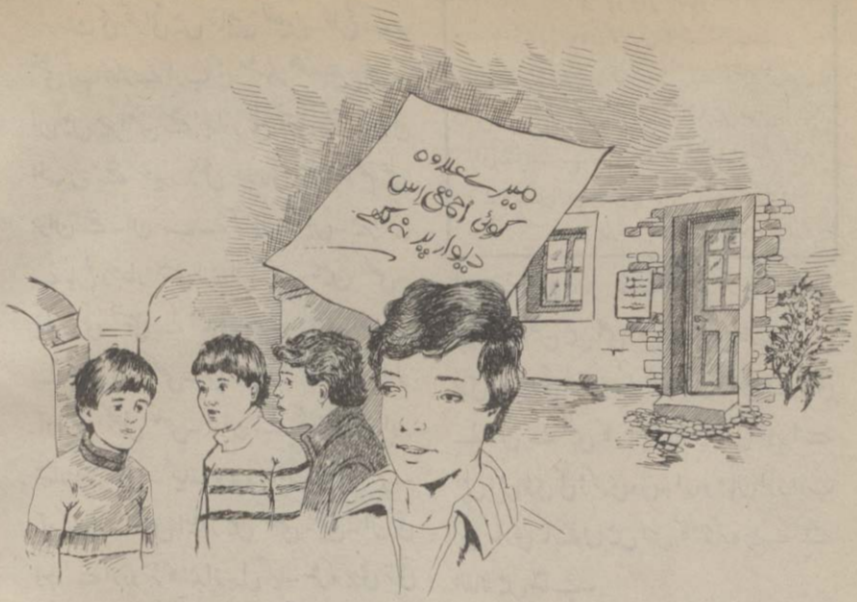

سیر سوا سیر

محمد نصیر ہزاروی

ہم تینوں شریر کزن ایک جگہ ایک کمرے میں گزشتہ پندرہ منٹ سے سر جوڑے بیٹھے تھے۔ وقت جوں جوں گزرتا جارہا تھا مسئلے کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا..... پھر اچانک ہم اچھل کر کھڑے ہو گئے اور سر کھجاتے ہوئے بولے۔ "یار عامر! تیرے سر میں جوئیں تو نہیں؟"

لو! جناب کھجا اپنا سر رہے ہیں اور فرمایا میرے متعلق جارہا ہے۔" عامر نے فوراً کہا۔

"ابھی تمہارے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھا تھا نا بس اس کے بعد سے سر میں خارش ہو رہی ہے۔"

"لیکن میرے سر میں تو نہیں ہو رہی۔" عامر نے معصومیت سے کہا۔ "تم عادی ہو چکے ہونا۔" ہم نے کہا اور عامر دانت پیس کر رہ گیا۔

"لاحول ولاقوۃ ابھی سر جوڑ کر بیٹھے تھے اور اب لڑنے پر تیار ہو۔" ناصر نے چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا جو کھسکتا ہوا ناک کے سرے پر جا پہنچا تھا۔"

"لڑنا چھوڑو اور کوئی ترکیب سوچو۔" "بھئی سوچ سوچ کر ہمارا ذہن تو ماؤف ہونے لگا ہے مگر کوئی ترکیب سوجھتی ہی نہیں۔" ہم نے کہا۔ ہماری بات سن کر عامر نے تجویز پیش کی۔ "تو پھر بھائی جان کیوں نہ منصور بھائی سے مشورہ کر لیا جائے۔"

"ہونہہ! منصور بھائی سے!" ہم نے منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے بھائی منصور بھائی سے "بہتر مشورہ" کوئی دے ہی نہیں سکتا۔" ناصر نے لفظ "بہتر مشورہ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ خیر ناصر اور عامر کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے بھائی منصور کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ منصور بھائی ہماری توقع کے عین مطابق ایک موٹی سی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ ہم تینوں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر قدرے حیران ہوئے۔ "ارے بھائی! خیریت تو ہے ..... یہ شیطانوں کی ٹولی آج ہمارے کمرے میں..... کیا کسی شرارت کا ارادہ ہے؟"

"نن..... نن..... نہیں..... کوئی شرارت نہیں منصور بھائی، ہم تو آپ کے پاس مشورے کی نیت سے آئے ہیں۔"

"مشورے کی نیت سے؟" منصور بھائی کے لہجے میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

"جی ہاں ایک مسئلہ کے سلسلے میں آپ کے "قیمتی" مشورے کی اشد ضرورت پڑ گئی ہے۔" ناصر نے لفظ "قیمتی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کہو کیا مسئلہ ہے۔" منصور بھائی نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ تایا ابو اپنی فیملی کے ہمراہ ایک ہفتے کے اندر لاہور سے ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں۔ اور در حقیقت ہمارے اصرار پر ہی ابو جان اور چچا جان گھر کے رنگ و روغن پر رضا مند ہوئے تھے۔"

"لیکن اس میں مسئلہ والی بات کون سی ہے؟" منصور بھائی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ تایا ابو کے آنے میں ابھی پانچ چھ دن باقی ہیں اور ان پانچ چھ دنوں میں گھر کے باہر گیلری کی دیوار اشتہارات لکھنے والے لوگوں کی نگاہ میں آ جائے گی۔"

"ہاں بھئی! تم لوگوں کی بات تو درست ہے اب کیا کریں ہمارا مکان بھی تو کارنر کا ہے۔" منصور بھائی بولے۔

"مجھے تو لگ رہا ہے..... تایا ابو کے آنے تک ہمارے گھر کی بیرونی دیواریں پمفلٹوں، اشتہارات اور الٹے سیدھے نعروں سے بھر جائیں گی۔" عامر نے کہا۔ عامر کی یہ بات سن کر منصور بھائی کتابی لہجے میں بولے۔ "یہ ہمارا قومی المیہ ہے۔ بحیثیت قوم ہم شاید شعور کی اس منزل تک ابھی تک پہنچ ہی نہیں سکے ہیں جہاں ہمیں ایسی باتیں معیوب، باعث شرم اور قومی وقار کے منافی محسوس ہوں۔"

منصور بھائی کی باتیں ہمیں ہضم بڑی مشکل سے ہوتی ہیں۔ وہ اس بارے میں مزید کچھ اظہار خیال کرنا

چاہتے تھے لیکن عامر نے کہا۔ "بھائی جان وہ مسئلہ کے حل کے بارے میں کوئی مشورہ....." ناصر کی بات سن کر بھائی جان سوچ میں ڈوب گئے اور ہم تینوں امید بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگے۔ پانچ منٹ کے سوچ بچار کے بعد انہوں نے سر اٹھایا پھر بولے۔

"بھئی میری سمجھ میں تو بس ایک یہی حل آتا ہے کہ جتنا زیادہ ہو سکے تم تینوں باری باری نگرانی کرو اور کوئی دیوار پر لکھنا چاہے تو اسے منع کر دو اور یہ کرو کہ کسی کاغذ پر جلی حرفوں میں "یہاں لکھنا منع ہے" لکھ کر دیوار پر لگا دو۔"

مشورہ سننے کے بعد ہمارا بھائی جان کے کمرے میں ٹھہرنا فضول تھا۔ لہٰذا تینوں خاموشی سے کمرے سے نکل آئے۔

"ہاں بھئی کیا خیال ہے بھائی جان کے مشورے پر عمل کرنے کے بارے میں؟" ہم نے اپنے دونوں چچازاد بھائیوں سے پوچھا۔

"یار! کچھ زیادہ زور دار نہیں۔" دونوں مایوس لہجے میں بولے۔

"لیکن اس سے بہتر آئیڈیا ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اسی پر عمل کرنا بہتر ہے۔" ہم نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

"ٹھیک ہے نگرانی کرنے کے لئے تو اوقات ہم طے کر لیں گے لیکن پہلے کسی کاغذ پر لکھ کر اسے دیوار پر چسپاں کر ہی دیں۔" ناصر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ لہٰذا فوراً ہی ایک موٹا سا سفید کاغذ لایا گیا اور قلم کی مدد سے ناصر نے موٹے موٹے حروف میں لکھ دیا۔

"یہاں لکھنا قطعی منع ہے۔" پھر چند لمحوں بعد ہی وہ کاغذ ہمارے گھر کی بیرونی دیوار پر چسپاں تھا۔

وہ دن تو خیریت سے گزر گیا اور ہم تینوں اپنے اپنے نمبر پر نگرانی بھی کرتے رہے۔ اگلے دن صبح ہم تینوں جیسے ہی ناشتہ سے فارغ ہو کر اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلے۔ دیوار پر چسپاں کاغذ کو دیکھ کر چونک اٹھے۔ کاغذ پر ناصر کی لکھی ہوئی تحریر کے نیچے ایک جملے کا مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ لکھا تھا۔

"اپنا لکھنے کا شوق پورا کر لیا اور ہمیں منع کیا جا رہا ہے۔"

ناصر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور پھر ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نامعقول حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟" ہم نے عامر اور ناصر سے دریافت کیا۔ اور دونوں کندھے اچکا کر رہ گئے۔ چند لمحے سوچنے کے بعد عامر پر جوش لہجے میں بولا۔ "اس کاغذ کو اتار دیتے ہیں اور دوسرے کاغذ پر میں لکھوں گا کہ بس مزا ہی آ جائے گا۔"

چند منٹ بعد ہی عامر نے دوسرے کاغذ پر یہ جملہ لکھا۔

"دیکھو! گدھا دیوار پر لکھ رہا ہے۔"

جملہ مکمل کرنے کے بعد اسے پہلے والے کاغذ کی جگہ چپکا دیا گیا اور ہم تینوں اسکول کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے کیوں کہ اسکول سے کافی لیٹ ہو چکے تھے۔

وہ دن بھی خیریت سے گزر ہی گیا۔ دوسرے

دن چوں کہ جمعہ تھا لہٰذا ہم تینوں دیر تک سوتے رہ۔ نو بجے کے لگ بھگ ابھی ہم صحیح طرح نیند سے بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ ناصر نے ہمیں جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ کم بخت نے کچھ اس بے دردی سے جھنجھوڑا تھا کہ ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

"کک ..... کیا ہو گیا بھئی.....!؟" ہم نے آنکھیں ملتے ہوئے ناصر کی طرف دیکھا اس کے چہرے سے ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے ہنسی کو دبانے کے لئے اسے بھرپور جدوجہد کرنی پڑ رہی ہو۔

"اٹھئے تو۔" ناصر ہمیں ہاتھ سے پکڑ کر باہر کی جانب گھسیٹتے ہوئے بولا۔

"کیوں بھئی! خیریت تو ہے؟" لیکن ناصر ہماری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے باہر کی جانب گھسیٹنے لگا۔ ناصر ہمارا ہاتھ پکڑے سیدھا ہمیں اس کاغذ کے پاس لے گیا جو کہ عامر نے کل بیرونی دیوار پر چپکایا تھا۔ ہم نے غور سے دیکھا تو عامر کے جملے کے نیچے ایک اور جملے کا اضافہ ہو چکا تھا۔

اب ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ "دیکھو! گدھا دیوار پر لکھ رہا ہے۔"

"افسوس! یہ حیرت انگیز منظر ہم نہیں دیکھ سکے۔"

ہم جملے کا مفہوم سمجھ کر مسکرا اٹھے۔ ناصر کی "کھی کھی" رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"عامر نے یہ جملہ دیکھا؟" ہم نے ناصر سے دریافت کیا۔

"نہیں! وہ تو ابھی ناشتہ کر رہا ہے۔" ناصر نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "آپ یہیں رکیئے میں عامر کو لے کر آتا ہوں۔"

ایک منٹ بعد ہی عامر اُبلا ہوا انڈا چباتا ہوا باہر چلا آیا جملہ پڑھ کر چند لمحوں کے لئے عامر پر سکتہ طاری ہو گیا پھر کھسیانا ہو کر بولا۔ "لاحول ولاقوۃ! پتہ نہیں کون کم بخت ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔" پھر فوراً دیوار پر چپکا ہوا کاغذ نوچ کر پرزہ پرزہ کر ڈالا۔ ہم لوگ جب گھر کے اندر داخل ہونے لگے تو ہماری ہنسی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ اس ہنسی میں عامر کی کھسیانی ہنسی بھی شامل تھی۔

وہ دن ہم لوگوں نے ہتھیار ڈال دینے والی کیفیت میں گزارا پھر دوسرے دن ناصر نے ہم سے کہا۔ "بھائی جان! اب آپ کا نمبر ہے۔"

"کیا مطلب؟" ہم چونک اٹھے۔

"مطلب یہ ہے کہ میں اور عامر تو کوشش کر چکے ہیں لہٰذا اب آپ کاغذ پر کوئی ایسا جملہ لکھ کر دیوار پر لگائیں کہ شرارت کرنے والا لاجواب ہو کر رہ جائے۔" ہم کافی دیر تک کوئی ایسا جملہ سوچتے رہے پھر کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے یہ جملہ کاغذ پر لکھا۔ "میرے علاوہ کوئی احمق اس دیوار پر نہ لکھے۔" عامر اور ناصر کچھ دیر تک جملے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔ پھر انہیں بھی یہ جملہ پسند آ گیا تو کاغذ باہر کی دیوار پر لگا دیا گیا۔

وہ دن خیریت سے گزرا پھر دوسرا اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا۔ اور تایا جان کی آمد کا دن آ پہنچا

عجیب و غریب رسم

تبت کا ایک قبیلہ ہے شوکاس کی شادی کی رسم بڑی دلچسپ ہے شادی کے وقت دولہا اور دلہن کو ایک کیک کھانا پڑتا ہے اگر دونوں میں سے کوئی بھی کیک کھانے میں ناکام رہے تو شادی اسی وقت ختم ہو جاتی ہے۔

مرسلہ..... شان محمد بٹ، وزیر آباد۔

لیکن ہمارے جملے کا جواب شاید اس "شریر" کو سوجھ ہی نہ سکا۔ لہٰذا وہ کاغذ بھی صحیح سلامت اور صاف ستھرا رہا۔ فخر کی وجہ سے ہم پھولے نہ سما رہے تھے اور ناصر اور عامر تو گویا ہمارے گرویدہ ہو چکے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آ پہنچا جب ہم تایا جان اور ان کی فیملی کو اسٹیشن سے "ریسیو" کر کے گھر کے سامنے ٹیکسوں سے اتر رہے تھے۔ ٹیکسی سے اتر کر تایا جان نے ایک طائرانہ نظر گھر پر ڈالی اور پھر ان کی نظر اچانک اس کاغذ پر جا کر رک گئی جو کہ ہماری خوش خطی سے منور تھا۔ "یہ کیا ہے؟" تایا جان کے لہجے میں حیرت تھی۔ تایا جان کے پوچھنے پر عامر نے مختصراً صورت حال بتا ڈالی جسے سن کر تایا جان مسکرانے لگے پھر انہوں نے ابو جان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیوں بھئی جمیل میاں! تم نے کاغذ پر لکھے جملے کو غور سے پڑھا؟"

"ہاں پڑھا"۔ "دوبارہ پڑھو اور غور سے پڑھو۔" تایا جان نے کہا اور پھر دوبارہ جملہ پڑھنے کے بعد ابو کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ تایا جان اور منصور بھائی ہنسنے لگے۔ ہم لوگ بھی دیدے پھاڑ پھاڑ کر جملے کو گھور رہے تھے لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس جملے میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟ "آپ لوگ کیوں اتنی زور زور سے ہنس رہے ہیں؟" ہم نے جھلا کر بھائی سے پوچھا۔

"یہ جملہ ہے کوئی لطیفہ تو نہیں۔"

"نالائق میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔" تایا جان نے ہمارا کان مروڑتے ہوئے کہا۔ "جملہ پڑھو۔" ہم نے با آواز بلند جملہ پڑھا۔ "میرے علاوہ، کوئی احمق اس دیوار پر نہ لکھے۔"

"یہ جملہ لکھنے کے بعد واقعی کسی نے اس دیوار پر نہیں لکھا نا؟" تایا جان نے پوچھا۔ "جی بالکل! تین دن سے کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ یہ جملہ پڑھ کر دیوار پر لکھ سکے۔"

"تو پھر اس کا مطلب سمجھ میں آیا؟" "کیا مطلب؟" ہم اچھل پڑے۔

"مطلب یہ ہے کہ تم نے لکھا ہے کہ میرے علاوہ کوئی احمق اس دیوار پر نہ لکھے یعنی تم نے خود کو احمق بنا ڈالا اور دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین کر ڈالی۔" "ہائیں!"

"مطلب سمجھ میں آتے ہی ہمارے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ مارے شرم کے پانی پانی ہی ہو گئے۔ عامر ناصر منصور بھائی ہمارے تایا زاد بھائی عادل اور گھر کے تمام لوگوں کی "کھی کھی" ایک ساز ایک آواز میں بج کر ہمیں ہمارے احمق ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

جب چاند پر ہوگا بنگلہ

خالد خلیل

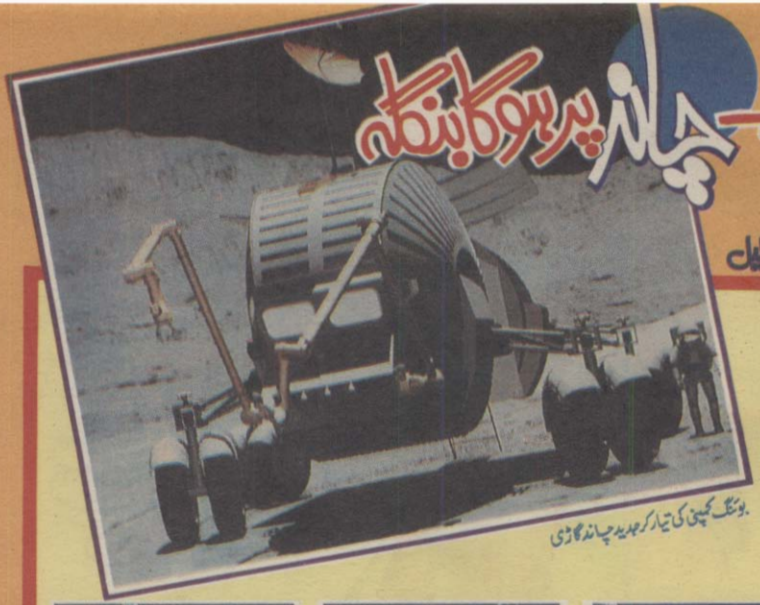

بوئنگ کمپنی کی تیار کردہ جدید چاند گاڑی

۲۰۶۰ء چاند پر انسان آباد ہو جائیں گے۔

۲۰۲۰ء میں چاند پر تعمیرات کے لئے ساز و سامان پہنچایا جائے گا۔

۲۰۱۰ء میں روبوٹ چاند سے جدید معلومات زمین پر پہنچائیں گے۔

بہت جلد انسان ایک مرتبہ پھر چاند کا سفر طے کرے گا۔ اور اب کے وہاں طویل عرصے تک قیام کرے گا۔ اس وقت تک سائنس اور انجینئرنگ اتنی ترقی کر چکی ہو گی کہ اپالو مشن ایک شوبیس پروجیکٹ رہ جائے گا۔ گو امریکہ کے قومی خلائی تحقیقاتی ادارہ ناسا نے چاند کے لئے مزید انسانی پروازیں بھیجنے کا منصوبہ ترک کر دیا ہے لیکن چند پرائیوٹ فضائی خلائی کمپنیاں چاند پر انسانی مشن بھیجنے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور وہ کمپنیاں اس سے مالی منافع بھی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ پرائیوٹ کمپنیوں نے جن سائنسدانوں کی خدمات حاصل کی ہیں ان کی تیار کردہ رپورٹ کے مطابق سن ۲۰۵۰ء تک چاند پر انسان کی مستقل رہائش کے لئے انتظامات ممکن ہو سکیں گے۔ اس مقصد کے لئے چاند پر خاص طور پر مخصوص انداز کی کالونیوں کی تیاری میں المونیم، ٹیٹینیم اور سلیکون استعمال ہو گا ان کالونیوں میں آکسیجن اور ٹمپریچر کا مکمل نظام موجود ہو گا۔

چاند کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا گیا خلائی سوٹ

ایروا سپیس کمپنیوں کے تعاون سے سائنسدانوں نے کام شروع کر دیا ہے اور سب سے پہلے انہوں نے جدید خلائی لباس، نئی چاند گاڑی اور جدید راکٹ سازی کا کام شروع کیا ہے اس کے علاوہ چاند پر تعمیر کی جانے والی کالونیوں کے نقشے بھی تیار کر لئے گئے ہیں۔ فضائی خلائی کمپنیاں چاند پر انسانوں کو بھیجنے سے پہلے تجرباتی پروازیں بھیجیں گی۔ اس سلسلے میں ۱۹۹۹ء میں انٹرنیشنل اسپیس انٹر پرائزز کمرشل بنیادوں پر ایک خلائی جہاز چاند پر بھیجے گی اس کی مدد سے چاند کے مختلف نقشہ جات تیار کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ سان ڈیگو کی ایک کمپنی جنرل ڈائنامکس نے اعلان کیا ہے کہ ۹۸-۱۹۹۷ء میں تجارتی بنیادوں پر انسان کو چاند کی سیر کرائیں گے اس کے لئے وہ چاند پر تین پروازیں بھیجیں گے جس پر ۱۰ بلین ڈالر لاگت آئے گی۔

جنت کی لڑکی

سید نظر زیدی

یہ ساتویں صدی ہجری کی بات ہے۔ چنگیز خان کے پڑپوتے ہلاکو خان کی موت کے بعد اس کا بیٹا اباقا خان سنہ ۶۶۳ھ میں بادشاہ بنا۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان وہ ظالم تاتاری بادشاہ تھے جنہوں نے مسلمانوں پر بہت ظلم کئے تھے۔ ان کی بڑی بڑی سلطنتوں کو اجاڑ دیا تھا۔ لیکن اللہ کے کام نرالے ہیں۔ انہی ظالم بادشاہوں کے جانشین اباقا خان کے دل میں مسلمانوں اور دین اسلام کے لئے بہت نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ تاریخ لکھنے والے کچھ عالموں نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن یہ بات یوں ٹھیک نہیں لگتی کہ تاریخ کی کتابوں میں جس تاتاری بادشاہ کے باقاعدہ مسلمان ہونے کا ذکر ملتا ہے وہ اسی اباقا خان کا بیٹا نکودار اغلن خان ہے۔

بہرحال اباقا خان مسلمان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن تاریخ لکھنے والے سب عالموں نے یہ بات

مانی ہے کہ اس کے دل میں دین اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے ایک بڑے عالم دین خواجہ شمس الدین جوینی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔

خواجہ شمس الدین جوینی کے علاوہ اباقا خان نے اپنے دربار میں کئی اور مسلمان عالموں کو بھی کرسیاں دی تھیں جن سے دین اسلام کی باتیں سنا کرتا تھا۔ ان عالموں میں ایک مولوی عزیز الدین تھے۔ بادشاہ ان کی بھی بہت عزت کیا کرتا تھا، لیکن بدقسمتی سے یہ مولوی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جن کے دل میں دنیا کے مال و دولت کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ دل کی اس خرابی کی وجہ سے وہ خواجہ شمس الدین کی جگہ خود وزیر اعظم بننے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جب بھی موقع ملتا ان کے خلاف باتیں کرتے۔ لیکن خواجہ صاحب بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ بہت نیک بھی تھے، اس لئے بادشاہ پر عزیز الدین کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوتا۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ بادشاہ کی بوڑھی ماں کا انتقال ہوگیا۔ تاتاری امیروں اور بادشاہوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا تھا تو مقبرہ بنا کر مرنے والے کی لاش اس میں رکھ دیتے تھے اور چند لونڈیوں، غلاموں کو لاش کے ساتھ بٹھا کر مقبرے کا دروازہ مضبوطی سے بند کردیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے والے کو موت کے بعد خدمت کرنے والوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اباقا خان نے بھی اپنی ماں کے لئے ایسا ہی انتظام کیا، لیکن چونکہ وہ اسلام کی باتیں سنا کرتا تھا اس لئے اس نے مولوی عزیز الدین سے پوچھا۔ "مولوی صاحب یہ تو بتایئے اب میری والدہ صاحبہ کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟"

مولوی صاحب نے جواب دیا "ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ مقبرے میں دو فرشتے آئیں گے جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ وہ سوال کریں گے۔ بتا تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا جانتی ہے؟ ٹھیک جواب دینے پر فرشتے مقبرے میں ایک کھڑکی کھول دیں گے جس سے جنت کی ہوائیں آنے لگیں گی اور مقبرہ کشادہ، یعنی خوب بڑا ہوجائے گا۔ دوسری صورت میں مرنے والی پر عذاب شروع ہوجائے گا اور مقبرہ بالکل تنگ ہوجائے گا۔"

یہ باتیں سن کر اباقا خان کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "میری ماں تو پڑھی لکھی نہیں تھی۔ پھر وہ ان مشکل باتوں کے جوابات کیسے دے گی؟"

دنیا کی محبت میں پھنسے ہوئے مولوی کے دل

میں اچانک ایک خیال آیا۔ اس نے سوچا مولانا شمس الدین کو رستے سے ہٹانے کا یہ بہت اچھا موقع ہے، وہ بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا، "حضور! اس مشکل کو بالکل آسانی سے اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ والدہ محترمہ کی میت کے ساتھ خواجہ شمس الدین جوینی صاحب کو دفن کردیا جائے۔ وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ فرشتوں کے سوالوں کے جواب بالکل آسانی سے دے دیں گے اور والدہ محترمہ جنت کی ہواؤں کی حقدار بن جائیں گی۔"

دین کی باتوں کو پوری طرح نہ جاننے والے تاتاری بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور اس نے خواجہ صاحب کو میت کے ساتھ دفن کرنے کی منظوری دے دی۔

ادھر جب خواجہ صاحب کو مولوی عزیز الدین کی شرارت کا حال معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئے۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ یہ بادشاہ جب کوئی فیصلہ کرلیتے ہیں تو اسے بدلتے نہیں۔ انہوں نے وضو کرکے دو رکعت نفل نماز پڑھی اور سچے دل سے دعا مانگی۔ "اے اللہ مجھے اس عذاب سے بچالے۔" اور اللہ پاک کی خاص مہربانی سے ان کے دل میں ایک بہت اچھی تدبیر آگئی۔ وہ اسی وقت بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا۔ "حضور والا، میں نے سنا ہے کہ مولوی عزیز الدین صاحب نے میرے بارے میں آپ کو کوئی مشورہ دیا ہے؟"

بادشاہ بولا "ہاں! اور اس کا مشورہ ہمیں پسند آیا۔ ہمارا خیال ہے تم والدہ صاحبہ کے ساتھ ہوگے تو فرشتوں کے سوالوں کے ٹھیک جواب دے سکو گے اور وہ عذاب سے بچ جائیں گی۔"

خواجہ صاحب نے کہا "بیشک حضور والا کا خیال درست ہے، لیکن حضور کا یہ خادم ایک اور بات سوچ رہا ہے۔"

"وہ کیا؟" بادشاہ نے سوال کیا۔

خواجہ صاحب بولے "حضور والا! یہ خادم سوچ رہا ہے کہ قدرت کے قانون کے مطابق موت تو ایک دن حضور والا کو بھی آئے گی اور فرشتے حضور سے بھی سوال کریں گے اور چونکہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور والا کے کاموں کی فہرست بہت لمبی ہوگی، اس لئے جواب دینے میں والدہ صاحبہ کی نسبت حضور کو زیادہ دشواری ہوگی۔ چنانچہ یہی بات سوچ کر خادم کی رائے یہ ہے کہ مجھے اس مشکل وقت خاص اپنے ساتھ لے جائیں اور والدہ محترمہ کی میت کے ساتھ مولوی عزیز الدین صاحب کو بھیج دیں۔ وہ خاتون ہیں۔ ان کے ان کاموں کی فہرست زیادہ لمبی نہ ہوگی جو انہوں نے دنیا میں کئے ہیں۔ مولوی عزیز الدین بالکل آسانی سے جواب دے دیں گے اور

والدہ صاحبہ کے قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جائے گی۔"

بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "خواجہ صاحب آپ کی یہ بات زیادہ ٹھیک ہے۔ بادشاہ ہونے کی وجہ سے ہم نے تو بہت سے بے گناہوں پر بھی ظلم کئے ہوں گے۔ اس لئے ہمارے ساتھ آپ کا ہونا مناسب ہوگا۔ ہم حکم جاری کئے دیتے ہیں کہ والدہ محترمہ کی میت کے ساتھ ان کے مقبرے میں مولوی عزیز الدین کو دفن کردیا جائے۔"

جس وقت بادشاہ یہ کہہ رہا تھا خواجہ صاحب دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کررہے تھے۔ کیونکہ ان کے ایمان کے نور کی وجہ سے اللہ ہی نے انہیں یہ تدبیر سجھائی تھی۔

دوسرے دن بادشاہ کے حکم پر عمل ہوا اور دنیا کے مال و دولت کا لالچ کرنے والا اور دوسروں کا بُرا چاہنے والا مولوی بادشاہ کی والدہ کی میت کے ساتھ اس کے مقبرے میں دفن کردیا گیا۔

کیا آپ ہمیں اسٹیکرز کا آرڈر دے چکے ہیں؟

اگر آپ نے ادارہ آنکھ مچولی کو دعاؤں کے اسٹیکرز کا سیٹ منگوانے کے لئے آرڈر نہیں دیا تو یہ کام پہلی فرصت میں کر لیجئے۔ کیونکہ اسٹیکرز کے نئے سیٹ چھپ کر آچکے ہیں۔ دیدہ زیب طباعت۔ وقت کی ضرورت۔

۱۲ اسٹیکرز کا ھدیہ..... صرف =/۳۶ روپے

منگوانے کا پتا:

سرکولیشن منیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی I-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵۔ فون 4942857 4948210

ایک پاکستانی بچے کی تمنا

افشاں بشیر

مجاہد مجھ کو بابا جان ننھا سا بنا دیجئے
میرے ہاتھوں میں پاکستان کا جھنڈا تھما دیجئے
مجھے کشمیر کے ایک ایک دشمن کا پتا دیجئے
مجھے رستہ دکھا دیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

بہت دن سے میرے کشمیر میں دشمن کا ڈیرا ہے
نہتّوں کو ہزاروں ظالموں نے مل کے گھیرا ہے
انہیں جاکر بتانا ہے کہ یہ کشمیر میرا ہے
مجھے خنجر عطا کیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

مجھے کشمیر سے ایک ایک دشمن کو بھگانا ہے
مجھے ایک ایک کشمیری کو آزادی دلانا ہے
مجھے دشمن کے ایک ایک ظلم کا بدلہ چکانا ہے
مجھے کچھ حوصلہ دیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

کھلونوں سے مجھے اب کھیلنا اچھا نہیں لگتا
یہ ہاکی گیند اور بلّا ذرا اچھا نہیں لگتا
میرے ہاتھوں میں بابا جھنجھنا اچھا نہیں لگتا
مجھے بندوق لادیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

بہت دن سے میرا کشمیر دشمن کا نشانہ ہے
میرے کشمیر پر غیروں کا قبضہ غاصبانہ ہے
وہاں اب مجھ کو پاکستان کا جھنڈا لگانا ہے
میری ہمت بندھا دیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

ابھی چھوٹا سا بچہ ہوں مگر میں زور آور ہوں
نڈر ہوں شیر دل ہوں بحرِ ہمت کا شناور ہوں
میرا دشمن بہت بزدل ہے میں پکا دلاور ہوں
مجھے خود آزما لیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

دمِ آزادیٔ کشمیر بھرنا چاہتا ہوں میں
کہ کافر دشمنوں سے جنگ کرنا چاہتا ہوں میں
وہ چاہیں یا نہ چاہیں ان سے لڑنا چاہتا ہوں میں
مجھے اب الوداع کیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

یہ میرا عزم ہے کشمیر حاصل کر کے چھوڑوں گا
بزورِ تیغ اور شمشیر حاصل کر کے چھوڑوں گا
میں اپنے خواب کی تعبیر حاصل کر کے چھوڑوں گا
میرے حق میں دعا کیجئے مجھے کشمیر جانا ہے
مجھے کشمیر جانا ہے

کون سی ملاوٹ صحیح ہے؟

صائمہ نادر حسن

آٹھویں جماعت کے سالانہ امتحانات ہونے والے تھے۔ اردو کے ماسٹر نے ہم سب کو ایک مضمون لکھنے کو دیا جس کا عنوان تھا "نیکی بڑی عبادت ہے۔"

کامران نے جو امریکا میں رہ کر آیا تھا، اور پڑھائی میں بھی بہترین تھا، ایک پیراگراف کچھ اس طرح لکھا "نماز، روزہ، زکواۃ اور حج ادا کرنا بے شک نیک اعمال میں سے ہیں لیکن ان فرائض سے ہٹ کر مخلوق خدا کی خدمت کرنا بڑی نیکی اور باعث ثواب ہے۔ اس سلسلے میں ایک مفکر کا قول ہے کہ "God bless those who love His fellowman" مضمون میں خاص طور پر یہ پیرا گراف پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس لئے نہیں کہ یہ جملہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اردو کے مضمون میں انگریزی کا قول کس سلیقے سے "فٹ" کیا گیا تھا۔

پھر یہی مضمون جب اس نے امتحان میں لکھا تو اسے دس میں سے آٹھ نمبر ملے جبکہ مجھے صرف چار نمبر۔ حالانکہ میرا مضمون بھی اچھا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس کا بدلہ لینا چاہئے تب ہی مجھے ایک

ترکیب سوجھی اور میں مطمئن ہو کر اگلے پرچے کی تیاری کرنے لگا۔

اگلے دن انگریزی کا پرچہ تھا۔ میں نے خوب تیاری کی تھی اس لئے پرچہ حل کرتا چلا گیا۔ آخر میں مجھے " THE DOG " پر مضمون لکھنا تھا۔ جو میں نے کچھ اس طرح لکھا کہ

Dog is a domestic animal. philosophers Say that "کتا ایک وفادار جانور ہے" Dog is not only faithful but also a useful animal and.....!

مجھے پتا تھا کہ اس مضمون میں غلطیاں ہیں۔ لیکن میں نے انہیں درست نہ کیا۔ پھر مضمون لکھنے کے بعد آرام سے سارے پرچہ کو پڑھا اور پھر امتحانی میز پر رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

اگلے دن انگریزی کے استاد جماعت میں داخل ہوئے اور سب لڑکوں کو ان کے حاصل کردہ نمبر بتا دیئے۔ آخر میں انہوں نے پوچھا

" یہ منصور کون ہے۔ "

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ سر نے حسب توقع مجھے میرا مضمون دکھاتے ہوئے سوال کیا کہ

" یہ جملہ اردو میں۔ پرچہ انگریزی کا ہے، آخر یہ ہے کیا؟ " میں پہلے تو خاموش رہا۔ پھر کامران کے اردو کے مضمون " نیکی بڑی عبادت ہے " کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ " سر انہوں نے اردو کے پرچے میں انگریزی فقرہ لکھ کر آٹھ نمبر کما

دنیا کا سب سے نایاب سانپ ویسٹ انڈیز میں سینٹ لوسیا کے قریب ماریا نامی جزیرے میں پایا جاتا ہے۔ اس کا نام ریسر ہے اور ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۹ء میں اس قسم کے صرف ۱۰۰ سے بھی کم سانپ باقی رہ گئے تھے۔

مرسلہ..... غلام محمد بٹ. وزیر آباد۔

لئے جبکہ مجھے صرف چار نمبر ملے۔ میں نے سوچا کہ چلو کامران کا طریقہ اپنایا جائے۔ شاید اس طرح مجھے زیادہ نمبر مل جائیں۔"

پہلے تو سر نے کامران کا اردو کا پرچہ نکلوایا۔ اور جب انہوں نے سچ مچ اردو کے مضمون میں انگریزی کا فقرہ دیکھا تو سٹپٹا گئے۔ پھر کچھ سوچ کر بولے۔

" آپ کو پتہ نہیں ہے کہ یہ اسکول کونونٹ ہے؟ یہاں پر تو اردو بولنا ویسے بھی منع ہے۔ اگر کامران نے ایک قول انگریزی میں لکھ دیا تو کیا ہوا؟ آپ کو تو کم از کم ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرنی چاہئے۔ "

" گھٹیا حرکت!! " میں، دل میں بڑا بڑایا۔

اردو میں انگریزی کی ملاوٹ کی تو کہا، کیا ہوا؟ انگریزی میں اردو شامل کر دی تو کہنے لگے گھٹیا حرکت۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا واقعی میری حرکت گھٹیا تھی ؟ اپنے سر کو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ بہرحال میرے استاد ہیں اور استاد کا احترام نہ کرنا گھٹیا بات ہوتی ہے۔

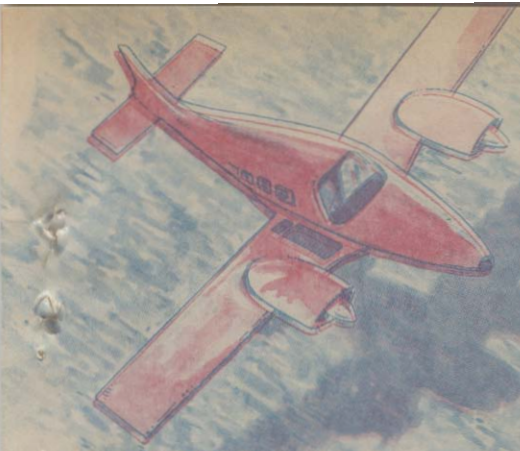

۳۶ گھنٹے لہروں میں

تحریر: فرانسس۔بی۔رینڈل
ترجمہ: ریحانہ منیر

یہ پچھلی گرمیوں کا ذکر ہے۔ میری چودہ سالہ بیٹی ایرین نے نویں جماعت کا امتحان پاس کرلیا تھا۔ اس سے کئے ہوئے ایک دیرینہ وعدے کو ایفا کرتے ہوئے میں اور ایری گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لئے ہیٹی گئے۔ میری بیوی لارا ملازمت کرتی تھی، اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہ جاسکی۔ اور پندرہ سالہ ڈیوڈ کو سیر وسیاحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یوں صرف میں اور ایری ہیٹی میں موجود تھے۔ یہاں ہم نے ایک ہفتے تک خوشگوار موسم میں چھٹیوں کا بھرپور لطف اٹھایا۔

تفریح سے قطع نظر دیکھا جائے ہیٹی ان دنوں مسائل کا شکار تھا۔ حکومت کے ایک فیصلے کے خلاف عوام نے ہڑتال کردی تھی اور پُرتشدد واقعات کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ باغیوں کی طرف سے غیر ملکیوں پر حملوں کی افواہیں بھی گردش کررہی تھیں۔ اسی وجہ سے امریکہ نے ہیٹی کے لئے اپنی پروازوں پر پابندی لگادی تھی۔

تفریح گاہ کے منتظمین کی جانب سے مہمانوں کو پیش کش کی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو ہیٹی میں قیام کریں، اگر واپسی کا ارادہ ہو تو انہیں چھوٹے چارٹرڈ طیاروں کے ذریعے ہیٹی سے ایک سو پینسٹھ میل مشرق میں واقع ایک عیسائی جمہوریہ تک پہنچا دیا جائے۔ جہاں سے امریکہ کے لئے پروازیں دستیاب تھیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم خوف زدہ تھے۔ پھر مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ہم واپس چلے جائیں۔ لہٰذا یہی فیصلہ ہوا۔

جولائی کی چار تاریخ تھی۔ پورٹ۔و۔پرنس ایئرپورٹ پر ہماری ملاقات دو ادھیڑ عمر کی باوقار خواتین سے ہوئی۔ ڈیلیا کلارک اور اینا ریویرا۔ اینا کو نیویارک میں اسکول ٹیچر کی

ملازمت مل گئی تھی اور وہ واپسی کے لئے بہت بے قرار تھی۔ ہم چاروں چھ سیٹوں والے ایک چھوٹے مگر خوبصورت (اور بقول ایری دنیا کے سب سے خوبصورت) پائپر سنیکا جہاز میں سوار ہوئے۔

جھٹپٹے کے وقت جہاز ہوا میں بلند ہوا۔ شہر کے گرد ایک چکر لگایا..... اور پھر..... حیرت انگیز طور پر اس کا رخ شمال مغرب کی طرف ہو گیا۔ ہماری منزل سے بہت دور..... کیونکہ ہمیں تو مشرق کی طرف جانا تھا۔ اینا نے اس بارے میں پائلٹ سے پوچھنے کی کوشش بھی کی مگر اس نے جواب دینا شائد ضروری نہیں سمجھا۔ "ہو سکتا ہے مشرق کی طرف مڑنے سے پہلے جہاز کو کسی نیچی پہاڑی درے سے گزرنا پڑتا ہو۔" ایسے حالات میں مجھے زیادہ چوکنا رہنا چاہئے تھا مگر جہاز کے خواب آور ارتعاش نے مجھ پر غنودگی سی طاری کر دی اور میں سو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد میں جاگا۔ گرم نم آلود ہوا جہاز میں داخل ہو رہی تھی۔ چاندنی رات تھی۔ سمندر نور میں نہایا ہوا تھا۔ سطح سے چند سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے ہمارا جہاز ایک مال بردار بحری جہاز کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔ میں نے صورت حال جاننے کی کوشش کی۔ اینا پہلے ہی اس سلسلے میں پائلٹ سے سوال کر چکی تھی۔ جہاز میں کچھ خرابی ہو گئی

امتحان

ایک مرتبہ ابلیس حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچا اور کہا۔ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمہیں وہی پیش آئے گا جو خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا بے شک۔ اس نے کہا اچھا اس پہاڑ سے خود کو گرا کر تو دیکھو کہ خدا نے تمہارے لئے سلامتی مقرر کر دی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا "اے ملعون یہ حق صرف خدا کو ہے کہ وہ اپنے بندے کا امتحان لے۔ بندے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے مالک حقیقی کا امتحان لے۔"

مرسلہ: شاہدہ ہاشم علی۔؟

تھی اور اس وقت ہم ایک بڑی مصیبت سے دوچار ہونے والے تھے۔

"اوہ خدایا!" میرے منہ سے نکلا۔

آنے والے تکلیف دہ لمحات کے وحشتناک خیال سے میرے دل کی دھڑکن رک گئی۔ ہول کے مارے پیٹ میں درد شروع ہوگیا۔ "ہم سب مارے جائیں گے۔" میں نے سوچا۔ "لیکن میں اپنی بیٹی کو مرنے نہیں دے سکتا۔" میں نے ایری کو دیکھا۔ ایری..... میری بیٹی..... جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ میری نشست کا رخ جہاز کے پچھلے حصے کی طرف تھا۔ میں نے ایری کی حفاظتی بیلٹ کا بکل کھولا اور اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ ایری پر خوف طاری تھا۔ میں نے اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ یوں جیسے اسے موت سے چھپالینا چاہتا ہوں۔

جہاز کے سطح سمندر سے ٹکرانے سے صرف ایک منٹ پہلے پائلٹ نے اپنی لائف جیکٹ میری طرف اچھالی۔ میں نے جلدی سے اسے ایری کی گردن میں ڈالا اور ہم دیگر لائف جیکٹوں کی تلاش میں اندھوں کی طرح ہاتھوں پیروں سے اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگے۔ صرف ایک جیکٹ اینا کے ہاتھ لگی جسے اس نے بے صبری سے پہن لیا۔

ہم تیزی سے پانی کی طرف جارہے تھے۔ موت منہ کھولے ہمارا انتظار کررہی تھی۔ سمندر ہمیں ہڑپ کرنے کے لئے تیار تھا۔ میں نے خود کو بڑا بے بس محسوس کیا۔ میری بیٹی، جسے تمام عمر میں نے پھولوں کی طرح رکھا تھا، میری نظروں کے سامنے ایک اذیت ناک موت سے دوچار ہونے والی تھی۔ غیر شعوری طور پر ایری کے گرد میری گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ "آئی لو یو ایری۔" میں نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ "آئی لو یو ٹو...ڈیڈی۔"

پھر ایک زوردار دھماکا ہوا۔ جہاز پوری قوت سے سطح سمندر سے ٹکرایا۔ ہم لوگ بری طرح اپنی سیٹوں سے ٹکرائے۔ جہاز کی ایک سائیڈ اور دروازہ ٹوٹ گیا اور پانی تیزی سے اندر بھرنے لگا۔

میں نے چیخ کر ایری سے کہا۔

"ایری فوراً" باہر نکلو اور جہاز کے پر پہ بیٹھ جاؤ۔"

ڈیلیا' اینا اور میں بھی تیزی سے باہر نکلے۔ مگر پائلٹ بے چارہ اس قابل نہیں تھا۔ وہ سامنے آلات کے پینل سے بری طرح ٹکرایا تھا۔ لہولہان تھا اور گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے مرچکا تھا۔

پائلٹ کی غلط سمت میں پرواز کرنے کی کچھ بھی وجہ رہی ہو۔ لیکن وہ بحری جہاز پر یقیناً" اسی لئے منڈلاتا رہا کہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالے۔ اس نے جہاز کو ممکن حد تک نیچا رکھنے کی کوشش کی اور غالباً" ہماری جانیں بچانے کے لئے ہی اس نے اپنی جان قربان کی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جہاز کچھ دیر تو سطح پر تیرے گا' مگر وہ تو لمحوں میں غرق ہوگیا۔ چند سیکنڈ پانی پر بلبلے بنے اور پھر سمندر ساکت ہوگیا۔ اچانک ہمیں شدید تنہائی کا احساس ہوا۔ چار ناتواں انسان..... دو لائف جیکٹیں..... اور تاحدِ نظر پھیلا ہوا مہیب سمندر۔

ڈیلیا اور اینا نے اپنے تئیں بحری جہاز کی طرف تیرنا شروع کیا۔ مگر وہ ہم میں سے کسی کو نظر نہیں آسکا تھا۔ وہ جاچکا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاز کے عملے نے ہمیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ اور وہ لوگ اب بھی ہم پر ٹوٹنے والی آفت سے بے خبر تھے۔

ہم دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ حالات کا جائزہ لیا۔ ایری کے سر میں چوٹ لگی تھی۔ میری ٹھوڑی پر خراش آئی تھی جس سے خون رس رہا تھا۔ ڈیلیا کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اینا کی حالت زیادہ خراب تھی اس کی آنکھوں کے گرد زخم لگے تھے' ایک بازو ٹوٹ گیا تھا اور سر پر شدید ضرب لگی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے دماغ پر بھی اثر پڑا تھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے اکثر بھول جاتی تھی کہ ابھی ایک لمحہ پہلے اس نے کیا کہا ہے۔ یا یہ کہ وہ ایک ہولناک حادثے سے دوچار ہوچکی ہے۔

اینا کے پاس جو لائف جیکٹ تھی' وہ خاصی بڑی تھی۔ ایری کے پاس چھوٹی تھی۔ لیکن یہ دونوں جیکٹیں ہم چاروں کے لئے کافی تھیں۔ میری اور ایری کی نظر کمزور تھی اور حادثے کی وجہ سے ہماری عینکیں سمندر کی نظر ہوچکی تھیں..... بغیر کچھ زیادہ اعتماد کے' میں نے حالات کے مثبت پہلوؤں پر بات کرنا شروع کی۔

"پانی کا درجہ حرارت قریباً" اسی درجے فارن ہائیٹ ہے۔ لہٰذا ہماری جسمانی حرارت کے تیزی سے کم ہونے کا امکان نہیں..... حادثے سے چند لمحے پہلے پائلٹ نے کنٹرول ٹاور کو ہنگامی پیغام بھیجا تھا۔ یہ پیغام یقیناً" سنا گیا ہوگا۔ اور

ہماری گمشدگی کی صورت میں ہماری تلاش شروع ہوگئی ہوگی وغیرہ۔"

میں جان بوجھ کر شارک مچھلیوں کے ذکر سے اجتناب کر رہا تھا۔ کیونکہ میں اور ایری ان سے بہت ڈرتے تھے۔ ہم چاروں میں سے تین افراد کے زخموں سے خون رس رہا تھا اور کوئی بھی شارک یا ان کا پورا گروہ خون کی معمولی سی بُو پر ہماری طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ بظاہر میں پُرسکون تھا، لیکن میرے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ میں خوف زدہ کیوں نہ ہوتا..... بہادری کی صفت کا جتنا تعلق انسان کی فطرت سے ہوتا ہے اتنا ہی ان حالات سے جن سے مقابلہ کرتے کرتے اس کی اس صفت کو جلا ملتی ہے۔ میرے ساتھ دونوں طرح کا معاملہ نہیں تھا۔ میں پچپن سالہ بے ڈول جسم کا مالک، تاریخ کا پروفیسر تھا۔ جس نے زندگی کا زیادہ تر حصہ علمی مجالس میں بیٹھ کر گزارا تھا۔ لہٰذا مجھ پر خوف طاری تھا۔ لیکن دوسروں کی وجہ سے میں پُرسکون دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

سمندر پر اب کچھ متحرک روشنیاں نظر آنا شروع ہوگئی تھیں۔ میرے اور ایری کے لئے تو یہ محض دھبے ہی تھے، لیکن ڈیلیا کا خیال تھا کہ یہ کشتیوں کی روشنیاں ہیں جو ہماری ہی طرف آرہی ہیں۔ مجھے بھی کچھ امید ہو چلی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد یہ روشنیاں غائب ہوگئیں۔ اور تاریک سمندر میں ہم ایک بار پھر تنہا رہ گئے۔

تمام رات ہم چاروں نے ایک دوسرے کو پکڑے رکھا کہ کہیں کوئی ہم سے بچھڑ نہ جائے۔ ننھی سمندری مخلوق کے کاٹنے سے جسم میں خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ حادثے میں لگنے والے زخموں سے خون مسلسل رس رہا تھا۔ اور کچھ نقاہت سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"ڈیڈی!" میں نے ایری کی خوف زدہ آواز سنی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے..... میرا بدن کانپ رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا!" میں نے کہا "حوصلہ کرو..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میرا جسم بھی کپکپا رہا ہے"۔ اینا نے کہا۔ "اور ہم یہاں پہنچے کیسے؟" وہ پھر بھول گئی تھی کہ ہم پر کیا مصیبت آن پڑی ہے۔

اینا اور ایری کو تسلیاں دیتے ہوئے میں نے بارہا ڈیلیا کو بھی یاد دلایا کہ اس کی نوجوان بیٹی ایک دوسرے طیارے میں محفوظ ہے۔ ہم سب نے آئندہ برس دوبارہ ملاقات کے بارے میں گفتگو کی۔ ہم باپ بیٹی کی شدید محبت پورے ماحول پر محیط تھی۔ اور اب ہم چاروں اس رشتے میں بندھ چکے تھے۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم ایک ہی خاندان کے افراد ہوں۔

رات کی تاریکی آہستہ آہستہ بہہ گئی تھی۔ سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر ایک جانب دیکھا۔ دور ایک سیاہ لکیر کی صورت میں زمین نظر آ رہی تھی..... شاید یہ زمین ہی تھی.....! اب ہمارے پاس دو رستے تھے۔ یا تو ہم یونہی اکٹھے لہروں کے ساتھ بہتے رہتے۔ اور ساحل پر موجود لوگ یا ہماری تلاش میں آنے والی امدادی ٹیمیں ہمیں دیکھ لیتیں۔ کیونکہ موسم بالکل صاف تھا اور حدِ نگاہ خاصی دور تک تھی۔

(بعد میں معلوم ہوا کہ پائلٹ کا پیغام کنٹرول ٹاور پر سنا بھی گیا تھا اور امدادی ٹیمیں راونہ بھی ہوئی تھیں۔ مگر وہ مشرق کی جانب اس جگہ ہمیں تلاش کرتی رہیں جہاں کہ اصولاً ہمارے جہاز کو ہونا چاہئے تھا۔) دوسرا رستہ یہ تھا کہ میں اور ایری تیرتے ہوئے ساحل تک پہنچنے اور کچھ مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ خیال بظاہر تو بہت اچھا تھا مگر اس میں ایک خطرہ بھی تھا۔ اور وہ یہ کہ اینا کا بازو ٹوٹا ہوا تھا اور ڈیلیا کوئی ماہر تیراک نہیں تھی۔ دونوں آسانی سے کسی حادثے کا شکار ہو سکتی تھیں۔ مگر پھر بھی ہمیں آخری کوشش تو کرنی چاہئے تھی۔ ایری تو مجھ سے متفق تھی ہی..... ڈیلیا نے بھی بادل نخواستہ اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ جب سب متفق ہو گئے تو اینا کو بھی ہاں کرنا پڑی۔ مگر میں جانتا تھا کہ یہ ہاں بھی نہیں کہ برابر تھی۔

مزید تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ سات گھنٹے گزر چکے تھے اور ہم نے پانی کا ایک قطرہ حلق سے نہیں اتارا تھا۔ اور اگر ہم جلد از جلد ساحل تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے تو اس بات کے قوی امکانات تھے کہ مسلسل محنت اور جسم میں پانی کی کمی کی وجہ سے نقاہت کا شکار ہو جاتے۔ اور موت کے لئے ایک تر نوالہ ثابت ہوتے۔

دکھی دل اور اشکبار آنکھوں سے ہم نے ان خواتین کو خدا حافظ کہا، جنہوں نے مصیبت کی ایک رات سمندر میں ہمارے ساتھ گزاری تھی اور فطری طور پر جن سے محبت کا شدید تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ہم دونوں باپ بیٹی تیزی سے ساحل کی طرف تیرنے لگے۔ ہماری کوشش تھی کہ بغیر زیادہ توانائی استعمال کئے تیزی سے تیرتے رہیں۔ ایری توانا لڑکی تھی اور بڑی ہمت سے تیر رہی تھی۔ لیکن بہرحال وہ بچی تھی، تھک گئی۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ تب اس نے میری قمیض کا دامن تھاما اور میرے پیچھے پیچھے تیرنے لگی۔

"ڈیڈی کیا ہم شام تک ساحل پر پہنچ جائیں گے؟" ایری نے پوچھا۔

"ہاں امکان تو بہت ہے۔" میں نے جواب دیا اور ایری کی ہمت بندھائی۔

اس دن شائد ہم نے ایک میل فی گھنٹہ کے

حساب سے سفر طے کیا۔ مسلسل تیرتے ہوئے ہزارہا اسٹروک مارے۔ مجھے حیرت تھی کہ ہمیں بھوک اور پیاس کا قطعی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ شائد زندہ رہنے کے لئے کچھ چیزیں کھانے پینے سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ ہمیں ڈیوڈ اور ممی کے لئے زندہ رہنا تھا..... ہمیں دادا ابو کے لئے زندہ رہنا تھا۔ جن کی اس سال اسّی ویں سالگرہ تھی۔ مجھے ایری کے لئے زندہ رہنا تھا.... ایری جو میری جان تھی..... "یا اللہ تو اسے بچالے۔" میں نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

سہ پہر کے وقت مجھے نقاہت کا احساس ہونے لگا۔ بھوک، پیاس، مسلسل محنت اور نمکین پانی کے خلاف متواتر جدوجہد کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے۔ میرے ہونٹ اور زبان سوج گئی تھی۔ میں اپنا منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر دھوپ کی تپش ایک الگ مسئلہ تھی۔ جھٹپٹے سے تھوڑی دیر پہلے اچانک طوفان کے آثار نمودار ہوئے۔ ایری مجھ سے سو فٹ آگے تھی۔

"ڈیڈی !!!" اس نے ایک دل دوز چیخ ماری۔ طوفان اپنے تمام تر لوازمات سمیت آن موجود ہوا تھا۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی۔ آٹھ آٹھ فٹ اونچی لہریں ٹرک کی طرح مجھے ٹکریں مار رہی تھیں۔ اور میں بار بار ڈوب اور ابھر رہا تھا۔ یہ سلسلہ آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔

سمندری طوفان تو بیس منٹ یا آدھ گھنٹے میں ختم ہوگیا مگر میں اب ایک شدید جذباتی طوفان کی زد میں تھا..... ایری..... میری بیٹی..... میری جان کہاں تھی؟؟؟

شام کا دھندلکا گہرے اندھیرے میں تبدیل ہوچکا تھا۔ ایری مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے ایک تیز کُوک بلند کی۔ یہ ہمارا پہلے سے طے شدہ سگنل تھا۔ مگر میری کُوک کا کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔ میں بار بار کُوکا..... مگر بے سود..... اس کا مطلب تھا ایری ڈوب گئی..... ایری میری زندگی کی سب سے بڑی دولت مجھ سے چھن گئی تھی۔ ایری، جسے بچانے کے لئے میں نے اپنی جان لڑادی، جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ ایری کا جانا میری جان نکل جانے کے مترادف تھا۔ مجھے اب کسی شے سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ میں سمندر میں ایک اور طویل رات گزارتا۔ مگر میں ایری کو چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا..... "ہو سکتا ہے اب بھی اس کے پاس لائف جیکٹ ہو اور وہ زندہ ہو.....؟" میں نے سوچا۔

دور چاندنی میں ایک سیاہ لکیر کی صورت

ساحل نظر آرہا تھا۔ میں بے دلی سے اس جانب بہنے لگا۔ جسمانی نقاہت اور ذہنی پریشانی نے مجھے فریبِ نظر میں مبتلا کردیا۔ مجھے لگا جیسے سمندر چھوٹی چھوٹی خوبصورت کشتیوں اور وکٹورین اسٹائل کے بجروں سے بھرا ہوا ہے۔ ساحل کبھی میری نظروں کے بالکل سامنے آجاتا کبھی بالکل غائب ہوجاتا۔ کبھی ایک طرف نظر آتا کبھی دوسری طرف۔ سفید بادل دیو پیکر بطخوں، پینگوئن اور جیومٹری کی اشکال کی صورت میں میرے سامنے ناچتے تھے۔ میری جسمانی قوت کا آخری قطرہ بھی ختم ہوگیا۔ تب میں نے رات بھر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ننھی سمندری مخلوق دوبارہ آگئی تھی اور میرے بدن کو مشقِ ستم بنارہی تھی۔ میں ان کے اور شارک مچھلیوں کے خوف سے بے پروا ہوچکا تھا۔ ایری مرگئی تھی.....اب میرے لئے کسی شے کی بھی کچھ اہمیت نہیں تھی۔

میرے پاس لائف جیکٹ نہیں تھی مگر میرے موٹے جسم کی چربی مجھے ڈوبنے سے بچائے ہوئے تھی۔ میں کمر کے بل پانی پر لیٹا تھا۔ اور لہروں کے رخ بہہ رہا تھا۔ مجھ پر بار بار غنودگی طاری ہورہی تھی۔ ہر منٹ کے بعد میرے چہرے پر لگنے والے تھپیڑے مجھے نیند کی دنیا سے باہر لے آتے۔ اور چند سکینڈ میں پھر سوجاتا۔ اس سوتی جاگتی کیفیت میں میں خواب اور حقیقت کے درمیان معلق ہوگیا تھا۔ میرے لئے ہر خواب حقیقت تھا اور ہر حقیقت خواب تھی۔ ایک موقع پر مجھے ایسا لگا جیسے چھوٹی جنگی کشتیوں میں بھرا افریقیوں کا پورے کا پورا گاؤں اچانک نمودار ہوا۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر چلّا رہے تھے اور مجھے ایک بڑی کشتی میں کھینچنے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر میں ٹھنڈے نیلے پانی میں رہنا چاہتا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک دوسری کشتی میں منتقل کیا۔ یہاں ایری موجود تھی۔ وہ مجھ پر جھکی مجھے دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو ایرین۔" میں نے احساسات سے عاری لہجے میں کہا۔

"ہیلو ڈیڈی" اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

اس وقت صبح کے گیارہ بجے تھے۔ پیر کا دن تھا۔ اور جولائی ۱۹۸۷ء کی چھ تاریخ۔ تمام رات اور صبح میں اور ایری ساحل کی طرف بہتے رہے تھے۔ ہٹی کے دیہاتیوں نے ہمیں دیکھا اور اپنی ڈونگیوں میں ہمارے گرد جمع ہوگئے۔ اس طرح چھتیس گھنٹے کا طویل عرصہ بے یارو مددگار منہ زور لہروں اور مہیب سمندر میں گزارنے کے بعد ہمیں بچالیا گیا۔

دیہاتی ہم سے سوالات کررہے تھے۔ اور میں ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں انہیں سمجھانے کی کوشش کررہا تھا کہ کس طرح ہمارا جہاز حادثے کا

شکار ہوا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ ابھی مزید دو خواتین زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا سمندر میں موجود ہیں۔ لیکن شائد ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ ہمیں ساحل سمندر پر لے آئے اور ایک شخص کو سائیکل پر پولیس چوکی کی طرف دوڑایا جو وہاں سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ ہمیں ۱۰۴ ڈگری بخار تھا۔ مگر پانی کے چند قطروں نے ہمیں بڑی تقویت دی۔ گھنٹوں بعد ہمیں پولیس جیپ کے ذریعے ایک قصبے میں لے جایا گیا جہاں پر پورٹ۔ و۔ پرنس ایئر پورٹ سے ریڈیائی رابطہ قائم کیا گیا۔ بالآخر ڈیلیا اور اینا کے لئے صحیح سمت میں تلاش شروع ہوئی مگر افسوس ہماری ساتھی مل نہ سکیں۔

ایک مقامی ہسپتال میں ایک ڈاکٹر نے ایری کے متاثرہ گلے کا علاج کیا۔ اس نے میری ٹھوڑی کے زخم کو ٹانکے لگائے۔ میرے جسم سے خون کی دو بوتلیں ضائع ہو چکی تھیں۔ اور میرا پندرہ پونڈ اور ایری کا تین پونڈ وزن کم ہو گیا تھا۔

دو دن بعد ہیٹی کے ایک فوجی ہیلی کاپٹر میں ہم پورٹ۔ و۔ ونس ایئرپورٹ پہنچے۔ یہاں ہمارا پرزور استقبال کیا گیا۔ مرحوم پائلٹ کے بھائی نے ہم سے حادثے کے بارے میں سوالات کئے۔ اخبارات اور ٹی وی والوں نے ہمارے انٹرویو لئے اور بعد ازاں ہم نیویارک کے لئے روانہ ہو گئے۔ نیویارک کے لاگارڈیہ ایئرپورٹ پر اپنی عینکوں کے بغیر ہم بمشکل لارا اور ڈیوڈ کو پہچان پائے، جو ہمارے انتظار میں وہاں کھڑے تھے۔

آج کل میں صبح ایری سے پہلے جاگ اٹھتا ہوں۔ اور ہر روز دبے قدموں اس کے کمرے میں جاتا ہوں۔ اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ یہ سب نظر کا دھوکہ نہیں۔ حقیقت ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اتنے بڑے حادثے سے بچ کر زندگی کی طرف لوٹ آنا ایک خواب ہی لگتا ہے۔

آنکھ مچولی کے پرانے شمارے کیسے منگوائیں؟

ہمیں قارئین کے ایسے بہت سے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں وہ آنکھ مچولی کے پرانے شمارے منگوانے کا طریقہ کار دریافت کرتے ہیں۔ اگر آپ آنکھ مچولی کے پرانے شمارے منگوانا چاہتے ہیں تو ان شماروں کی تفصیل، نصف قیمت کا منی آرڈر اور اپنا نام اور مکمل پتا ہمیں روانہ کر دیجئے۔ ہم پرچے آپ کو بھجوا دیں گے۔

خط و کتابت کے لئے پتا:

منیجر سرکولیشن، ماہنامہ آنکھ مچولی I۔ پی آئی بی کالونی کراچی ۷۵ فون: ۴۹۴۲۸۵۷ ۴۹۴۸۲۱۰

بلند و بالا عمارتیں کیسے تہہ و بالا ہوتی ہیں...

ن۔م خالد

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب ایک پرانی عمارت کی جگہ نئی عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو سب سے پہلے اس پرانی عمارت کو گرایا جاتا ہے اور اس کو گرانے میں ایک طویل وقت صرف ہوتا ہے اور خاص طور پر جب پرانی عمارت کافی بلند اور بڑی ہو تو اس کو گرانے میں کئی ماہ صرف ہو جاتے ہیں لیکن اب جدید انجینئرنگ نے یہ بات ممکن کر دکھائی ہے کہ ایک بڑی عمارت چند لمحوں میں مٹی کا ڈھیر بن سکتی ہے۔

عمارت کو چند لمحوں میں تباہ کرنے کیلئے بارود استعمال کیا جاتا ہے۔ بارود کی عمارت میں تنصیب کیلئے کمپیوٹر سے مدد لی جاتی ہے اور بارود کو عمارت کے کمزور حصوں اور مختلف منزلوں پر نصب کیا جاتا ہے اور پھر یہ بارود مختلف وقفوں سے تباہ کر کے عمارت منہدم کی جاتی ہے اس سلسلے میں کئی کامیاب تجربات کیے جا چکے ہیں۔

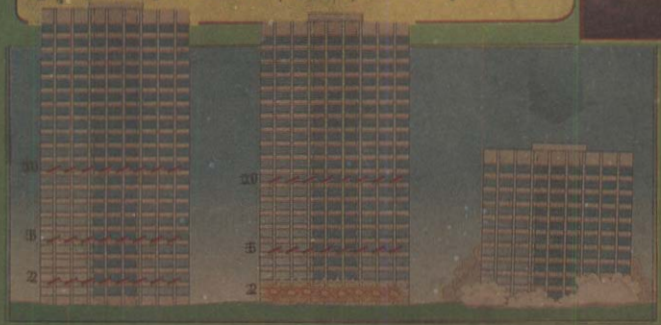

ایک عمارت کو گراتے ہوئے مختلف مناظر

ایک عمارت میں مختلف منزلوں پر بارود نصب کر کے عمارت گرانے کا خاکہ

پہاڑی فنکار

عروبہ منیر

دیہاتوں میں اکثر اور شہروں میں کبھی کبھی کچھ لوگ نظر آتے ہیں۔ میلے چکٹ، رنگ برنگی دھجیوں سے بنے کپڑے پہنے اور اسی طرح کی بڑی سی جھولی کندھے سے لٹکائے۔ اس جھولی میں جانے کیا کیا بھرا ہوتا ہے۔ بانسری، ڈگڈگی، برتن، سالن، آٹا، پیسے اور نہ جانے کیا کچھ۔ ان میں سے کسی کے ساتھ بڑا سا کالا ریچھ (اور کبھی کبھی اس کا بچہ بھی) ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ بندر، بکرا اور کتا۔ کوئی سانپ کی پٹاری اٹھائے ہوتا ہے اور کوئی نیولے کی رسی تھامے۔ یہ سب جانور سدھائے ہوئے ہوتے ہیں اور مزے مزے کے کرتب دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھار کچھ لوگ جانوروں کے بجائے خود ہی کرتب دکھاتے ہیں۔ یہ جمناسٹک کے ماہر ہوتے ہیں اور سینڈو کہلاتے ہیں۔ کچھ بہروپیے ہوتے ہیں بال اور چہرہ راکھ میں لتھڑا ہوتا ہے۔ اپنے ہیبت ناک حلیے سے یہ لوگ کسی سیدھے سادے بچے یا بڑے کو ڈراتے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے ہنسی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ دراصل ہمارے دیسی فنکار ہیں۔ جن کا بڑا مقصد اپنے ہنر سے لوگوں کو تفریح فراہم کرنا ہوتا ہے۔ پچھلے زمانے میں یعنی صنعتی انقلاب سے پہلے جبکہ لوگ ابھی شہروں کی طرف منتقل ہونا شروع نہیں ہوئے تھے ان فنکاروں کی بڑی اہمیت تھی۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر، میلوں ٹھیلوں میں یا کسی سرکاری تقریب میں ان کو باقاعدہ مدعو کیا جاتا تھا، جہاں یہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کے عوض لوگ انہیں مناسب معاوضہ اور انعام دیتے تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہوتے تھے۔ کسی ایک جگہ گھر بنا کر نہ رہتے۔ خیموں اور عارضی جھگیوں میں گزارا کرتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ مسلسل سفر میں رہتے، اس لئے یہ سفیر کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ ایک علاقے کی خبریں دوسرے علاقے میں پہنچاتے۔ وہاں کے حالات اور رسم ورواج سے دوسروں کو آگاہ کرتے۔ وہ پورے برصغیر کو یکجا رکھنے کے سلسلے میں بہت اہم تصور ہوتے تھے۔ اور ان کا فن تاریخ کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ فن جو صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آرہا ہے ان کا واحد ذریعہ معاش

تھا۔

پھر یہ سب لوگ پورے برصغیر پاک وہند میں ادھر ادھر پھیل گئے اور اپنے اپنے ہنر کا مظاہرہ کر کے اپنا پیٹ پالنے لگے۔ ان میں ذات پات کی بڑی سخت تفریق تھی۔ کوئی ایک برادری دوسری برادری سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ ان کا جینا مرنا، شادی بیاہ اور دیگر رسومات صرف اپنی ذات والوں تک محدود ہوتے تھے مدتیں بیت گئیں زندگی آرام سے گزر رہی تھی۔ پھر زمانے نے کروٹ بدلی۔ انگریز ہندوستان پر قابض ہوگئے۔ مغرب کا صنعتی انقلاب مشرق میں وارد ہوا۔ لوگ دیہاتوں، گاؤں اور جاگیروں سے شہر منتقل ہونے لگے۔ عوام اور خواص کی ترجیحات بدل گئیں۔

اخبار، سنیما، ریڈیو اور ٹی وی نے تفریح کے وسیع اور زیادہ بہتر ذرائع فراہم کئے۔ اور یہ گلی گلی گھومنے والے فنکار اور علاقہ علاقہ جانے والے سفیر آہستہ آہستہ بالکل غیر اہم ہوگئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ انہیں بھکاری سمجھنے لگے۔ پھر گزشتہ دنوں بھارت میں جانوروں کے تماشوں پر پابندی کے قانون کے اجرا نے ان بے چاروں کے ساتھ ساتھ اس قدیم روایت کا بھی گلا گھونٹ دیا۔ وہ بے روزگار ہوگئے۔ ان کی بستیوں کی بستیاں تجاوزات کے نام پر مسمار کردی گئیں۔ اور زندگی ان کے لئے اجیرن ہوگئی۔ یہ الگ بات کہ اس قانون کے خلاف احتجاج ہوا باقاعدہ تحریکیں چلیں۔ اور لوگ اب بھی اپنی پہچان، اپنی روایات، سر چھپانے کو چھت اور رہنے کو زمین کا مطالبہ کرتے ہوئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ان ذاتوں اور برادریوں کے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور جو پاکستان منتقل ہوگئے تھے، آج بھی عزت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی اپنی پہچان ہے۔ گاؤں دیہاتوں میں اب بھی ان کے تماشے دیکھنے کے لئے بچے، جوان، بوڑھے، بڑے شوق سے اکٹھے ہوتے ہیں اور جی کھول کر داد اور انعام بھی دیتے ہیں۔ حق دار کو حق دینا اور ہنرمندوں کی تعریف کرنا تو اچھی بات ہوتی ہے ناں! ■

"حل" کا حل

مئی کے خاص نمبر میں جناب اشتیاق احمد کی کہانی "حل" شائع کی گئی تھی جس میں انہوں نے ایک مسئلے کا حل بتایا تھا۔ لیکن اس کے مسئلے کے ایک سے زیادہ حل ہوسکتے تھے اور ہم نے قارئین سے یہی حل دریافت کئے تھے جواباً ہمیں ڈھیروں خطوط موصول ہوئے۔ قارئین کی طرف سے بھیجے گئے حل جولائی ۹۵ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

قلی ہرکولیس

دیکھ کے ان کو
ہم نے جانا
بوجھ اپنا خود
آپ اُٹھانا

نادان دوست

تنویر پھول

اپنے دیس کو واپس لوٹا! ملک یمن کا تاجر کوئی!!
گھوڑے کو دی نمک کی بوری اور گدھے پر لادی روئی
گدھا بچارا مریل سا تھا اونگھ رہا تھا، جاگ رہا تھا
لیکن گھوڑے کا کیا کہنا!! تیزی سے وہ بھاگ رہا تھا
راہ میں پڑتی تھی اک ندی گھوڑے نے اک ڈبکی لگائی
پاس گدھے کے دوڑا آیا اور یہ بولا اس سے بھائی!
ندی کا پانی ہے نرالا! اس میں، میں نے غوطہ کھایا

جب باہر نکلا تو میں نے اپنے بوجھ کو ہلکا پایا!
تم بھی بوجھ کو یوں کم کرلو کہتا ہوں یہ بات نیاری
غوطہ گدھے نے جوں ہی لگایا ہوگئی روئی اور بھی بھاری
اب تو چلنا بھی دوبھر تھا! مالک کو جو غصّہ آیا!!
اس نے نکالا موٹا ڈنڈا پیٹھ پہ اس کی پھر برسایا
یار کو یوں مشکل میں ڈالا یہ تھی اک نادان کی یاری
پھولؔ ہے دانا دشمن بہتر مان لو تم یہ بات ہماری

٦٠

شامت کا مارا

اصغر علی ساگر

میرے امتحان میں اب چند ہی دن رہ گئے تھے اس لئے میں زیادہ تر وقت اپنے پیارے سے کمرے میں گزارتا تھا۔ نہ کسی سے بات چیت، نہ کسی سے ملنا جلتا۔ صرف کھانے کے وقت باہر نکلتا تھا۔ ساری کہانیوں کی کتابیں اور رسالے ضبط ہو چکے تھے۔ بہترین سے بہترین ٹی وی پروگرام کو دل پر پتھر رکھ کر چھوڑنا پڑتا تھا۔ کسی دوست سے ملنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں کبھی بھی اپنے اوپر یہ سختی اور اس قدر ظلم و ستم نہ کرتا اگر ابا حضور کی دھمکیاں میرے سر پر سوار نہ ہوتیں ان کی ایک ہی آواز سے میرے جسم کا رواں رواں تھر تھر کانپنے لگتا۔ یوں لگتا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ میں بھی مجبور تھا اس لئے سوچا چلو کچھ دن کی تو بات ہے۔ پھر ہمارے بھی عیش ہوں گے۔

ایک دن میں اپنے کمرے میں کورس کی کتابیں کھولے ان میں سر کھپا رہا تھا اور تمام سائنسدانوں کو کوستا جا رہا تھا کہ اتنی مشکل مشکل چیزیں دریافت کرنے کی اور اتنی ایجادات کرنے کی انہیں کیا ضرورت تھی ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ کسی نے پیار سے اور اتنے خوبصورت انداز سے بیچارے دروازے کو پیٹ ڈالا کہ میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے اچھل گیا اور میرا سر قریب رکھے ہوئے لیمپ سے اس طرح ٹکرایا جیسے کسی نے ناریل توڑنے کیلئے اس پر ضرب لگائی ہو۔ میرے چاروں طبق ۱۰۰ واٹ کے بلب کی طرح روشن ہو گئے۔ اس کے بعد مزاج درست ہوئے تو آنے والے پر نظریں جمائیں۔ یقین جانیئے ہم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ ہمارے چچا جان، ہمارے گھر فیملی سمیت تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے سب سے چھوٹے صاحب زادے ہمارے سامنے دانت نکالے

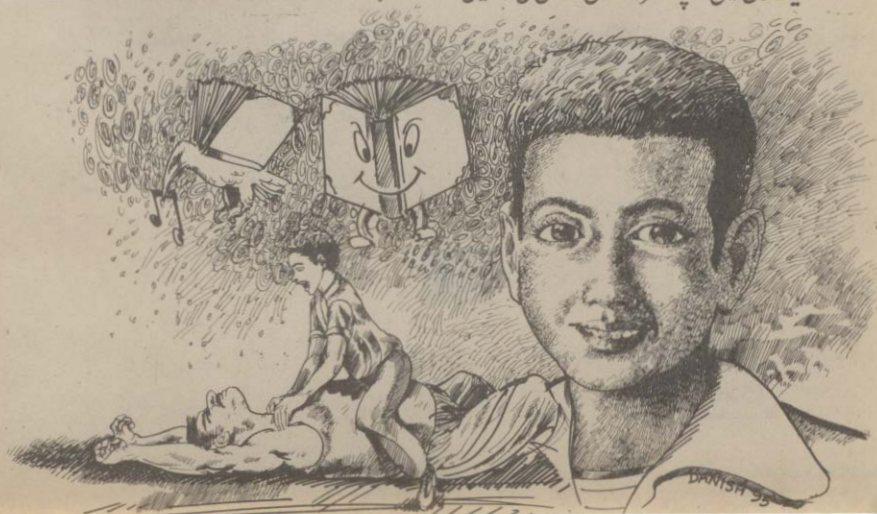

کھڑے تھے۔

"اصغر بھائی! میرے ساتھ کیرم کھیلئے نا!" اس نے دانت نکالتے فرمایا۔

اب تو میرا غصے کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"چندا، میرے لال، پپو! آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ میں اپنے امتحان کی تیاری فرما رہا ہوں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا، آپ کو کھیلنا پڑے گا ورنہ میں تایا سے شکایت کر دوں گا۔" ان حضرت نے منہ بسورتے ہوئے گویا مجھے دھمکی دی۔

اب تو میرا بھی پارہ چڑھ گیا۔ میں چنگھاڑا۔

"نکل جاؤ، میں پڑھ رہا ہوں۔"

وہ حضرت پھر بھی نہ نکلے تو میں ان کے پیچھے ڈرانے کے لئے بھاگا۔ وہ موصوف بھی بھاگے۔ ابھی میں دروازے سے نکلا ہی تھا کہ کسی چیز سے ایسی زوردار ٹکر ہوئی کہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پھر ایسی آواز آئی جیسے کہ ہیروشیما پر بم گرا دیا گیا ہو۔ جی نہیں، یہ آواز میرے گرنے کی نہیں بلکہ جس چیز سے میں ٹکرایا تھا اسکے گرنے کی آواز تھی۔ میں تو اس کے اوپر گرا تھا۔ میں جلدی سے کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور پھر جو اس چیز پر نظر ڈالی تو بس پھر میں جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ میرے ہاتھوں کے طوطے پنجروں سمیت اڑ گئے اور ہونقوں کی طرح اس طرف دیکھے جا رہا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے تھوک نگل کر بولا۔ "چ..... چ ..... چچ ..... چچا ..... جا ..... جان آ ..... آپ؟"

جی ہاں وہ ہمارے چچا جان ہی تھے جو آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورتے شاید سوچ رہے تھے کہ گرنے کے بعد نیچے ہی کی طرف کیوں جاتے ہیں اوپر کیوں نہیں چلے جاتے پھر شاید ان کو یہ خیال آیا کہ یہ مسئلہ تو نیوٹن حل کر چکا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اتنے زور سے دھاڑے کہ ہماری روح فنا ہو گئی اور ہم نے تھر تھر کانپنا شروع کر دیا۔ چچا جان گونج گرج میں والد صاحب ہی کے بھائی تھے۔ اس شور اودھم سے سارے گھر والے جمع ہو گئے۔ ہم پر مقدمہ چلا اور جج، یعنی ابا حضور نے سزا سنا دی۔

"رات کا کھانا بند، اور کمرے سے باہر ہرگز نہ نکلنا.....!"

غرض ہم کمرے میں بند ہو گئے۔ اب ہم نے سوچا کہ وقت کیسے گزاریں۔ پڑھائی کا جو موڈ بڑی مشکل سے بنایا تھا ختم ہو چکا تھا۔ اچانک یاد آیا کہ کورس کی کتابوں میں ہنگامی حالات کے لئے ایک اچھا رسالہ چھپایا ہوا ہے۔ بس جی نکال کر بیٹھ گئے اور ایسا کھوئے ایسا غرق ہوئے کہ دروازہ کھلنے اور ابا حضور کے آنے کی آواز نہ سن سکے۔ آپ اسے میری بدبختی کہہ لیجئے۔ ابا جان کو دیکھتے ہی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور دل ہی دل میں جو سورتیں یاد تھیں پڑھنا شروع کر دیں۔ لیکن اتنی دیر میں ہم دو تین کھا چکے تھے۔

لیکن کیا؟ یہ آپ ہی بوجھیے۔ ■

نباتات بھی جاندار ہوتے ہیں

شگفتہ شمیم

جب ہم کسی کو دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی تکلیف دیتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور ہم سوچتے ہیں کہ جسے ہم نے تکلیف دی ہے یا جسے ہم نے پریشان کیا ہے وہ کیا سوچے گا مگر جب یہی سلوک ہم نباتات کے ساتھ کرتے ہیں تو ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا صرف اس لئے کہ نباتات بے چارے بے زبان ہوتے ہیں اور ہمارے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج نہیں کرتے۔ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں نا کہ وہ بے جان بھی ہوتے ہیں۔ نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حیوانات کی طرح نباتات کی دنیا سے تعلق رکھنے والے درخت اور پودے نہ صرف جاندار ہوتے ہیں بلکہ مختلف قسم کی تکالیف کا بہت واضح انداز میں اظہار بھی کرتے ہیں۔ مگر ہم انہیں نہیں سمجھتے۔

جدید سائنسی علوم کے ذریعے اب ہمیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ درخت اور پودے کس طرح

مختلف حالات یعنی بھوک، پیاس، تکلیف، دکھ وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر پانی کی کمی کی وجہ سے درختوں کا سوکھ جانا، پتوں کا سکڑ جانا یا پیلا پڑ جانا۔ مناسب غذا کی کمی سے ان کا مرجھا جانا۔ داغ دھبے پڑ جانا۔ مختلف بیماریوں میں یا حد سے زیادہ کیڑے مار ادویات کے استعمال سے پھلوں اور پھولوں کی شکل خراب ہو جانا۔ یہ سب اظہار کے مختلف طریقے ہیں جو درخت اور پودے اپنی زبان میں کرتے ہیں۔ ان باتوں کا سمجھنا خود ہماری بقا کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا نباتات کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے جب نباتات اور حیوانات کو پیدا کیا تو دونوں کے رہن سہن اور مفادات کو بھی ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا تاکہ کرۂ ارض پر بسنے کے بعد دونوں اپنی علیحدہ دنیا نہ بنالیں۔ اس کا آغاز سانس لینے کے عمل سے ہی شروع کر دیا کہ جب حیوانات سانس لیتے تو ہوا میں موجود ایک عنصر یعنی آکسیجن جو اپنے اندر جذب کرتے اور جب خارج کرتے تو دوسرا عنصر یعنی کاربن ڈائی آکسائڈ۔ مگر جب نباتات سانس لیتے تو حیوانات کے جسم سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتے اور جب خارج کرتے تو وہی صاف ستھری آکسیجن جو جانوروں کے سانس لینے کے کام آتی۔

اسی طرح جب جانوروں نے ضروریات زندگی کے لئے نباتات کو استعمال کرنا شروع کیا تو اس کے بدلے میں انہیں بھی پابند کیا گیا کہ وہ ان کی غذا، دیکھ بھال اور انہیں نقصان نہ پہنچانے کی ذمہ داری لیں۔ اگر ہم ذرا غور سے تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان قدرتی احکامات کو نباتات نے تو خوب اچھی طرح انجام دیا یعنی جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا اسے پورا کیا اور اپنی ذات سے جانوروں کو ہر طرح کا آرام دیا۔ زندگی کے آغاز سے ہی جانوؤں نے ضروریات زندگی کے لئے درختوں اور پودوں کا استعمال شروع کر دیا۔ اور انسانوں کی زندگی کا دارومدار تو ان ہی درختوں پر ہی تھا۔ خوراک کے لئے، رہائش کے لئے، ایندھن کے طور پر۔ یہاں تک کے آرائش و زیبائش کے لئے بھی۔ درختوں کی لکڑیوں سے فرنیچر بنایا تو رنگائی کا سامان بھی ان ہی درختوں کی چھالوں سے حاصل کیا۔ انسان نے اپنی مختلف قسم کی بیماریوں کا علاج بھی انہی درختوں پودوں اور جڑی بوٹیوں سے کیا۔ یہ تو وہ فوائد تھے جو انسان نے خود درختوں کے مختلف حصوں یعنی تنوں، پتوں، جڑ، پھلوں اور پھولوں کو مختلف طریقوں سے استعمال کر کے حاصل کیا۔ مگر بے شمار فائدے ایسے بھی ہیں جو ماحولیاتی اعتبار سے اہم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جن علاقوں میں درخت اور پودے زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں وہاں کی زمین مختلف قدرتی آفات وغیرہ میں تباہ ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ ان کی جڑیں زمین میں ہر طرف پھیل کر مٹی کو مضبوطی سے پکڑے رہتی ہے اس طرح اسے طوفان وغیرہ میں اڑنے یا سیلاب کی صورت میں بہنے سے روکتی

ہیں۔ اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں آکسیجن کے زیادہ مقدار میں ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی صحت زیادہ بہتر ہوتی ہے بنسبت ان علاقوں کے جہاں درخت اور پودے کم مقدار میں ہوتے ہیں۔

درختوں اور پودوں کے بے شمار فوائد ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ وہ فوائد ہیں جو جدید سائنسی تحقیقات کے نتیجے میں اب منظر عام پر آئے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا فائدہ جو انسانی صحت کے نکتہ نگاہ سے بھی اہم ہے وہ یہ ہے کہ درخت اور پودے ہوا میں موجود بہت سے کیمیائی اجزا کو جو انسانوں کے لئے مضر صحت ہوتے ہیں اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اس طرح درخت ہمارے ارد گرد کی فضا کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لئے بھی ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فیکٹریوں اور انڈسٹریوں سے خارج ہونے والی ایک گیس سلفر ڈائی آکسائڈ جو انسانوں میں مختلف بیماریاں پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ درخت اور پودے ان گیسوں کو اپنے پتوں کے ذریعے جذب کر لیتے ہیں جو با آسانی ان کی غذا کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح نائٹروجن ڈائی آکسائڈ زمین میں جذب ہو کر درختوں کے لئے کھاد کا کام انجام دیتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کی پیدا کردہ وہ آلودگی جو خود انسانوں کے لئے خطرناک ہے درخت اور پودے انہیں ان آلودگیوں سے بچاتے ہیں۔

ان سب باتوں کو جان کر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ قدرت نے نباتات کی شکل میں ہمیں کتنی بڑی نعمت عطا کی ہے۔ جن کے بغیر ہمارا زندہ رہنا بھی نا ممکن ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ درختوں اور پودوں کے ان بے شمار احسانات کے بدلے میں ہم نے انہیں کیا دیا تو ہمیں اپنے ایسے ایسے اعمال اور ایسے ایسے سلوک معلوم ہوتے ہیں جو ہم نے ان کے ساتھ کئے اور جو شاید ہمارے لئے شرمندگی کا باعث بھی ہوں۔

قدرت نے نباتات اور حیوانات کی باہمی یگانگت کے لئے جو اصول بنائے تھے انسانوں نے انہیں توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور درختوں اور پودوں کو اس قدر نقصان پہنچائے ہیں کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ زیادہ سے زیادہ لکڑیاں حاصل کرنے کے لالچ میں انہیں نہایت بے دردی سے کاٹا گیا۔ جنگلات گھٹتے گئے اور صحرا بڑھتے گئے۔ شہری آبادی میں درختوں اور پودوں کو دوسرے انداز سے نقصان پہنچایا گیا۔ فیکٹریوں، موٹر گاڑیوں اور گھروں سے خارج ہونے والے دھوئیں، گیس اور دوسری مہلک قسم کی اشیا کے اخراج سے ہمارے ماحول میں آلودگی کی مقدار جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اتنی ہی تیزی سے انسانی جسم میں مختلف بیماریاں بھی پھیل رہی ہیں۔ آج ہر شخص ان بیماریوں سے پریشان ہے اور انہیں روکنے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ مگر بہت کم لوگ سوچتے ہیں کہ ان آلودگیوں سے کرۂ ارض پر بسنے والی دوسری

مخلوقات کا کیا بنے گا۔ بے شک نباتات بہت سے کیمیائی اجزا کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر ان کیمیائی اجزا میں بہت سے ایسے ہیں جو نباتات اور حیوانات دونوں کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ ان میں موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والی گیس کاربن مونو آکسائڈ اور دھاتی اجزا یعنی لیڈ وغیرہ شامل ہیں۔

اگر ہم بھاری ٹریفک والی سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے درختوں کا موازنہ اسی نسل کے ان درختوں سے کریں جو کم ٹریفک والے علاقوں میں اگے ہوں تو ان دونوں طرح کے درختوں میں تضاد آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ کم ٹریفک والے علاقوں کے درخت گھنے، سیدھے اور زیادہ سرسبز ہوتے ہیں۔ جبکہ بھاری ٹریفک والے علاقوں کے درخت چھوٹے چھوٹے۔ اور ٹیڑھے میڑھے انداز میں اگے ہوتے ہیں۔ ان درختوں کے پتوں کا رنگ بھی پھیکا اور بد رونق ہوتا ہے۔

نباتات کو جو سب سے بڑا نقصان انسانوں کے ہاتھوں سے پہنچا ہے وہ اوزون جھلی کا شگاف ہے۔ اوزون دراصل کرۂ ارض کے گرد ایک حفاظتی پٹی یا تہہ ہے جو خود مختلف قسم کی گیسوں، آکسیجن اور پانی وغیرہ سے مل کر بنی ہے۔ یہ جھلی زمین کو سورج سے خارج ہونے والی مختلف قسم کی مہلک شعاعوں یعنی ایکسرے اور بالائے بنفشی شعاعوں سے محفوظ رکھنے کا کام انجام دیتی ہے مگر خود زمین سے نکلنے والی مختلف گیسوں سے آہستہ آہستہ تباہی سے دوچار ہو رہی ہے۔ اوزون کی تباہی سے سب سے زیادہ اثر نباتات پر پڑ رہا ہے کیونکہ نباتات سورج کی روشنی سے ہی اپنی غذا تیار کرتے ہیں۔ سائنس دانوں نے تحقیقات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اوزون جھلی کے شگاف کی وجہ سے زمین کے ارد گرد بالائے بنفشی شعاعوں میں اضافہ ہو رہا ہے جو درختوں اور پودوں کے کلوروفل اور ڈی۔ این۔ اے وغیرہ کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

ان تمام باتوں سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ انسان نے اپنے اتنے عظیم محسن کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا ہے۔ انسان کے اس قدر ظلم و ستم کے باوجود نباتات کچھ نہیں کہتے۔ بس خاموشی سے اپنی جگہ کھڑے انہیں سہتے رہتے ہیں۔ اور اگر اپنی زبان میں اظہار بھی کرتے ہیں تو ہم انسان اسے نہیں سمجھتے۔ ہم اس دنیا میں اپنا حق سمجھ کر شان سے رہتے ہیں مگر ہمیں اس کا احساس ہی نہیں کہ گوشت پوست اور دوسرے اعضاء سے مستثنیٰ ایک اور مخلوق بھی اس دنیا میں ہمارے ساتھ رہتی ہے اور ہماری طرح جاندار ہے۔

■

آپ مانیں یا نہ مانیں

○ برطانیہ کا بادشاہ شاہ جارج اول انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔

○ کینیڈا میں پہلے کئی سال تک تاش کے پتوں کو بطور کرنسی استعمال کیا گیا۔

مرسلہ: جنید اختر، کراچی

نومی میاں کا تجربہ

محمد اسرار الحق

"اوہ! واقعی حیرت انگیز..... آپ نے بھی پڑھا ہے؟" نومی کی امی نے ابو کو مخاطب کیا۔ وہ کافی دیر سے کرسی پر بیٹھی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھیں۔

"کیا؟" ابو نے چونکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو شاید نہیں معلوم۔ لکھا ہوا ہے انڈوں کو چھوٹے سے چولہے میں رکھتے ہیں اور ان میں سے خود بخود چوزے نکل آتے ہیں!"

"تو کیا چوزے نکالنے کے لئے انڈوں کو جلایا جاتا ہے؟"

"نہیں جلایا نہیں جاتا۔ لکھا ہوا ہے انہیں... انکیو بیٹر میں رکھتے ہیں اس مشین میں وہ گرم رہتے ہیں اور کچھ دنوں بعد چوزے نکل آتے ہیں۔"

"پاپا انڈوں کو گرم کرنے سے چوزے نکل آتے ہیں؟" نومی نے ابو کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا۔" ابو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب

تو ہوگی سوالوں کی بوچھاڑ!"

"پاپا جب ہم انڈوں کو ابالتے ہیں تو تب چوزے کیوں نہیں نکلتے؟" نومی نے ابو کا گھٹنا پکڑ لیا۔

"اپنی امی سے پوچھو بیٹے....." وہ پھر ہنسے۔

"ماما جب ہم....."

"چلو بیٹا آپ کے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ صبح جلدی اٹھنا بھی ہوتا ہے۔ چلو شاباش اپنے بستر میں۔"

"لیکن ماما! آخر ابالتے وقت انڈوں میں سے چوزے کیوں نہیں نکلتے؟"

"افوہ بھئی دیکھو نا اگر اس وقت چوزے نکل آئیں تو وہ یقیناً پانی میں ڈوب جائیں گے۔" امی نے جلدی سے کہا۔ چلو اب پاپا کو خدا حافظ کرو اور ....."

"لیکن ماما آخر....."

"بیٹے ابلتا ہوا پانی چوزوں کو بہت گرم لگے گا ناں اس لئے۔"

امی نے نومی کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی اگر چوزوں کو پتا ہو کہ انڈوں پر کوئی بڑی سی مرغی بیٹھی ہوئی ہے تو تب وہ نکلتے ہیں۔"

"ماما اگر میں ایک انڈے کو اپنے چولہے پر رکھ دوں تو اس میں سے چھوٹا سا چوزہ نکلے گا نا؟"

"نہیں چوزہ تو نہیں نکلے گا مگر انڈہ ضرور روسٹ ہو جائے گا۔ مرغی تو انڈوں کو تھوڑا گرم رکھتی ہے نا اس لئے چوزے نکلتے ہیں۔"

"ماما جب میں اپنے بستر پر ہوتا ہوں تو تھوڑا تھوڑا گرم ہوتا ہوں۔ مرغی بھی انڈوں کو اتنا ہی گرم رکھتی ہے؟"

ہاں بیٹے، چلو اب....."

"مگر ماما مرغی انڈوں پر بیٹھتی کیوں ہے؟"

"اب اس کیوں کا جواب تو نہیں ہے میرے پاس۔ اس کی مرضی ہوتی ہے اور وہ بیٹھ جاتی ہے انڈوں پر!"

"ابو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نومی بیٹا کبھی آپ نے اس مرغی کے بارے میں سنا ہے جسے ایک کلہاڑی ملی تھی اور وہ دو ہفتوں تک اس پر بیٹھ کر چوزے نکالنے کی کوشش کرتی رہی تھی؟"

امی ہنس پڑیں۔

"پاپا کلہاڑی پر بیٹھنے سے مرغی کٹ نہیں گئی تھی؟" نومی نے پوچھا۔

"اوہ، ہاں۔ اس بارے میں تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔"

"کوئی بڑی چالاک قسم کی مرغی تھی۔ ہیں نا پاپا!"

"بہت دیر ہو رہی ہے نومی، اب سو جاؤ چل کے۔" امی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ماما مجھے ابھی نیند نہیں آئی۔"

"نیند نہیں آئی؟" پھر ابھی اتنا بڑا سا منہ کھول کر جمائی کیوں لے رہے تھے؟"

"میں تو نہیں لے رہا تھا جمائی۔ میں

نے تو ویسے ہی منہ کھولا تھا۔"

"بہانے تو دیکھو ذرا، شریر کہیں کا۔" امی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں پچھلے آدھے گھنٹے سے تمہیں آنکھیں ملتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔"

"چلو بیٹا، امی ابو کو خدا حافظ کرو اور چلو اپنے بستر میں۔"

ابو نے کہا۔ "اگر آپ یونہی میرے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے تو بعد میں مجھے آپ کو اٹھا کر بستر پر لٹانا پڑے گا۔"

"اچھا ابو....." نومی منہ بسورتے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔

دو دنوں بعد صبح صبح امی پریشانی کی حالت میں ابو کے پاس آئیں۔ ابو اس وقت شیو بنا رہے تھے۔ امی نے کہا۔ "نومی کو جانے کیا ہوا ہے۔ بستر سے ہی نہیں اٹھ رہا۔ کہتا ہے طبیعت خراب ہے۔"

"اچھا!" ابو نے ریزر سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی دیکھتا ہوں۔"

"ابھی تو وہ دوبارہ سو گیا ہے۔ کل شام جب آپ اسے باہر لے کر گئے تھے تو کوئی کھانے کی چیز تو نہیں لے کر دی؟"

"نہیں لیکن اگر اسے بخار ہے تو اسے یہ گولی دے دو۔"

"اسے بخار نہیں ہے نہ وہ بیمار ہے۔ بس اس کی طبیعت خراب ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے وہ۔"

"میں نے اسے کل ایک روپیہ دیا تھا۔" ابو نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اوہ!"

"لیکن اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوئی خراب چیز خرید کر نہیں کھائے گا۔ اور مجھے یقین ہے اس نے ٹافیاں وغیرہ نہیں لی ہوں گی۔"

"شاید اس نے پیسٹری لے لی ہو مگر آپ نے اسے پیسے دیئے ہی کیوں تھے!"

"اس نے مانگے تھے۔"

"چچ چچ..... چلیں اب جلدی سے شیو بنا لیں ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

ناشتہ کے بعد امی پھر نومی کے پاس گئیں۔ وہ جاگ رہا تھا۔

"طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی بیٹے؟" امی نے پوچھا۔

"نہیں..... ماما۔" "کیا سر میں درد ہے؟"

"نہیں ماما، لیکن میں بستر سے نہیں اٹھ سکتا۔" "چلو یہ دوائی پی لو۔ کچھ ٹھیک ہو جائے گی طبیعت۔ پھر ناشتہ کر لینا۔"

"کوشش کروں گا ماما۔" نومی نے بڑی بہادری سے دوائی پی پھر کافی جی بھر کر ناشتہ کیا امی حیران ہو رہی تھیں کہ پہلے تو اس نے اتنی آسانی سے دوائی کیسے پی لی اور پھر طبیعت ناساز ہونے کے باوجود اتنا سارا کھانا کھایا!

ناشتہ کے بعد نومی میاں نے اعلان کیا کہ چونکہ انہیں نیند آئی ہوئی ہے اس لئے وہ پھر سونے لگے

ہیں، کافی عجیب و غریب بیماری تھی۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے نومی کو، بھوک بھی لگتی ہے اور نیند بھی آ رہی ہے۔ کاش مجھے پتا چل جائے اس نے ایک روپے سے کیا خریدا تھا جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ لگتا ہے کوئی زہریلی قسم کی چیز کھالی ہے اس نے کل وہ اور بلال اکٹھے ہی باہر نکلے تھے۔ میں جا کر بلال سے پتا کرتی ہوں شاید اسے کچھ پتا ہو۔ نہیں تو پھر ڈاکٹر کو بلالیں گے۔" امی نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"اگر نومی جاگا تو ذرا پوچھئے گا تو سہی آخر اس نے کیا کھایا تھا؟" یہ کہہ کر امی باہر چلی گئی۔ ابو نومی کے کمرے میں گئے اور اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ وہ کافی پریشان تھے اچانک نومی نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیسے ہو بیٹا؟ اب تو آپ اٹھ جاؤ گے نا؟"

"نہیں پاپا۔"

"طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی؟"

"نہیں۔" ابو نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "بیٹا کل میں نے آپ کو ایک روپیہ دیا تھا اس کا کیا کیا آپ نے؟"

"میں نے خرچ کر دیا تھا۔"

"لیکن کیا لیا تھا؟ پیسٹری؟"

"نہیں پاپا۔" "پھر کیا خریدا تھا؟"

"پھر کسی وقت بتا دوں گا پاپا۔" نومی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ٹافیاں لی تھیں؟" ابو نے پھر پوچھا۔

"نہیں لیکن پاپا مجھے اس وقت بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ ایک سینڈوچ کھالوں؟"

"نہیں بیٹا ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"

"میں ٹھیک ہوں پاپا۔ نہیں ـــــ نہیں میرا مطلب ہے میری طبیعت اس قسم کی خراب نہیں ہے۔"

"ابو نے نفی میں سر ہلا دیا اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"پاپا!" تھوڑی دیر خاموشی کے بعد نومی نے جھجھکتے ہوئے ابو سے سوال کیا۔ "انڈوں میں سے چوزے کتنے دنوں کے بعد نکلتے ہیں۔"

"ہوں؟"

"انڈوں میں سے چوزے کتنے دنوں کے بعد نکلتے ہیں؟" نومی نے جلدی جلدی سوال دہرا دیا۔

"مجھے صحیح تو نہیں معلوم لیکن میرا خیال ہے دو تین ہفتے تو لگتے ہی ہوں گے۔"

"اوہ۔" نومی نے اتنے زور سے اوہ کی کہ ابو حیران رہ گئے۔

"کیا ہوا نومی؟" "پاپا مجھے اب اٹھ جانا چاہئے۔" نومی نے آہستہ سے کہا۔

"طبیعت ٹھیک ہو گئی؟" "جی کافی بہتر ہو گئی ہے۔"

"اچھا! یہ یکدم کیا ہو گیا؟" ابو نے حیرت سے کہا۔

"اصل میں پاپا ـــــ" نومی ڈرتے ڈرتے بولا۔ "میں نے سوچا تھا چوزہ جلدی نکل آئے گا۔"

"چوزہ؟" "جی ..... لیکن ..... میں..... اپنے بستر پر دو تین ہفتے تو نہیں رہ سکتا نا۔"

نومی نے رک رک کر کہا اور پھر اٹھ کر اپنے کپڑوں میں سے ایک چھوٹا سا لال رنگ کا کپڑا نکالا۔ اسے کھولا تو اندر سے ایک مرغی کا انڈا نکلا۔

"پاپا میں نے ایک روپے میں یہ انڈا خریدا تھا دکاندار کہہ رہا تھا اس میں چوزہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا اس میں ہے اس لئے میں اس کو ـــــ اس کو گرم رکھنا چاہتا تھا پاپا ..... اور ..... اور....."

"افوہ نومی!" ابو ساری بات سمجھ چکے تھے۔ اور اب اپنا سر پیٹنے والے تھے۔

(ماخوذ)

انوکھی البم

فوٹو کھنچوانے کا یہ بھی ایک انداز ہے۔

میری بے بی کو بھی تو چوسنی کی ضرورت ہے۔

کار بمقابلہ ٹرین

دنیا میں آلودگی کتنی بڑھ گئی ہے اندازہ کیجیے کہ مجسمہ آزادی کو بھی ماسک استعمال کرنا پڑ گیا۔

①

②

③

④

پرندوں کی طرح اُڑنے والے

یاسر علی

۱۸۹۱ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ جرمنی کے شہر برلن سے ذرا دور ڈرینڈن برگ مارچز نامی گاؤں' میں ایک آدمی' ایک بہت بڑے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے------اس کے دونوں جانب' خود ساختہ' بڑے پر ہیں جنہیں آپس میں جوڑ دیا گیا ہے۔ آدمی ان پروں کے وسط میں کھڑا ہے۔ اور انہیں اس طرح کندھوں پر سوار کرلیتا ہے۔ جیسے سرکس میں تنے رسے پر چلنے والا' اپنے توازنی ڈنڈے کو' اپنے بازوؤں کے نیچے سے نکال کر گرفت میں لے لیتا ہے۔ وہ آہستہ سے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے فضا میں چھلانگ لگاتا ہے----"پرواز کے دوران وہ اپنے بازوؤں کے ذریعے سہارا دیتا ہے۔ اور اپنی ٹانگوں کو لٹکنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ لگاتار اور بتدریج' پہاڑ سے ذرا فاصلے پر' وہ ہوا میں تیرتا ہوا سطح زمین تک آپہنچتا ہے۔

یہ چھلانگ دراصل ایک نئے دور میں چھلانگ ہے۔ وہ لمحہ' جب آدمی نے اڑنا سیکھا----

انجینیر آٹو للی اینتھل ۱۸۴۸ء کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ کپڑے کا تاجر تھا۔ محض ۱۴ برس کی عمر میں للی اینتھل نے اپنے چھوٹے بھائی گستاؤ کی مدد سے ابتدائی پَر بنانے شروع کئے۔

یہ پَر دو میٹر چوڑے تھے۔ اور لکڑی سے بنے ہوئے تھے۔ مرغابیوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے دونوں بھائیوں نے محسوس کیا کہ وہ ہمیشہ پہلے زمین پر دوڑتی ہیں اور پھر پر پھڑپھڑاتے ہوئے ہوا میں اڑ جاتی ہیں۔

"رفتار کے بغیر پرواز ممکن نہیں----- : " یہ ان کی پہلی دریافت تھی-----

چنانچہ انہوں نے پروں کو پھڑپھڑانے والا سامان تیار کیا۔ جو چند سیکنڈوں کے لئے ان کے جسم کا وزن اٹھالیتا-----۲۰ سال تک آٹو للی اینتھل نے اپنے عظیم نظریے پر کام کیا۔ ۱۸۷۳ء میں اس نے ایک گھومنے والا سامان (Revolving Apparatus) بنایا۔

۱۸۸۸ء میں دونوں بھائیوں نے ایک بار پھر اپنی تمام توجہ پرواز پر مرتکز کردی۔ آٹو نے Lichter felde میں اپنے گھر میں ایک نیا

گھومنے والا سامان (Apparatus) بنایا' تاکہ مختلف شکلوں کے پر ایجاد کیے جاسکیں۔ گستاؤ لکھتا ہے۔

"میرا خیال ہے پرواز جلد ہی ایجاد کرلی جائے گی۔"

اس نے مقامات تبدیل کیے۔ اور ایک غلہ گودام کی چھت سے اڑا۔

Lichter felde میں اس کے پاس ایک ۱۵ میٹر بلند ٹیلا تھا۔ جو "پروازکی پہاڑی" کے نام سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ للی اینتھل نے اپنے مضمون پر لیکچر دیے' اور اپنے تجربات کے نتائج شائع کرائے۔

۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۶ء کے درمیان اس نے قریباً" ۳ ہزار چھلانگیں لگائیں۔ شروع شروع میں وہ اپنے پیروں کو چلاتے ہوئے' مشین کو خاص سمت میں چلاتا' اور پرندوں کی طرح' اپنی ٹانگوں کو آگے کی طرف پھیلائے ہوئے اترتا۔

اپنے تجربات کے دوران' وہ موچوں' رگڑوں اور خراشوں سے زخمی بھی ہوتا رہا۔ تب اچانک ۹ اگست ۱۸۹۶ء کو ایک معمول کی پرواز میں ۱۵ میٹر کی بلندی سے آٹو للی اینتھل حادثے کا شکار ہوگیا۔

اس کی گردن ٹوٹ گئی' اور اگلے دن وہ اس دارفانی سے کوچ کرگیا۔

اس نے دنیا کو پہلا ہوا سے بھاری ایر کرافٹ دیا۔ اس کے آخری الفاظ اپنے بارے میں تھے۔

"تمہیں قربانیوں ہی کے لئے پیدا کیا گیا تھا----!!!!"

آنکھ مچولی کا تحفہ

ماہ اپریل کی قرعہ اندازی میں "آنکھ مچولی کا تحفہ" حاصل کرنے والے ساتھیوں کے نام:

۱۔ شمس الدین، ہنگو۔ ۲۔ وقار علی بلوچ، لاڑکانہ۔ ۳۔ ناصر حفیظ، ملتان۔ ۴۔ ظفر اللہ خلیل، کوئٹہ۔ ۵۔ رانی شکور، دیر کوٹ۔ ۶۔ عبدالرحمن، کراچی۔ ۷۔ منصور علی، سکھر۔ ۸۔ طاہر نذیر، شیخوپورہ۔ ۹۔ ولی محمد مہین، حیدرآباد۔ ۱۰۔ محمد شہباز مغل، سیالکوٹ۔

ماں کی نصیحت

محمد شاہد فیروز

چھوٹو میاں نے آج شب ایک بات کی
امی سے کہہ رہا تھا مجھے لے دو روشنی
میں روشنی کو دیس میں ہر سو پھیلاؤں گا
اس دیس اس جہان کو اُجلا بناؤں گا
لوگوں کو تیرگی میں بھی رستہ دکھاؤں گا
اور اس طرح میں قوم کا رہبر ہو جاؤں گا
سن کر یہ بات اس کی پھر امی نے یوں کہا
بیٹا تو کور فہم ہے نادان ہے بڑا
معلوم تجھ کو ہے نہیں اتنی سی بات بھی
اس دور میں بے کار ہے مانگے کی روشنی
گر چاہتا ہے دیکھنا روشن تو رات کو
پھر سُن لے بیٹا غور سے تو میری بات کو
علم و ہُنر سے آشنا کر اس دماغ کو
کر تیرگی میں اس طرح روشن چراغ کو
علم و ہُنر سے تیز نہیں کوئی روشنی
جتنا کرو گے خرچ اسے اور بڑھے گی
اس کے ہی دم سے آدمی پاتا ہے برتری
اس کے ہی دم سے آدمی پاتا ہے رہبری

آمنے سامنے

اسٹار کھلاڑیوں سے سوال جواب کا دلچسپ سلسلہ

سلیم خالق

"آمنے سامنے" کے آخری سلسلے کے ساتھ حاضر ہیں۔ اس دفعہ کے مہمان "شاہد علی خان" تھے۔ مگر عید کی وجہ سے مقررہ تاریخ تک سوالات مطلوبہ تعداد میں جمع نہ ہو سکے۔ جس کی وجہ سے باسط علی کے جوابات شائع کئے جا رہے ہیں۔ باسط سے یہ جوابات ان کی ریٹائرمنٹ سے پہلے لئے گئے تھے۔ جب کہ ان کو مہمان بنانے کا اعلان کافی عرصے پہلے کیا گیا تھا جس کے بعد کافی بڑی تعداد میں خطوط جمع ہو گئے تھے۔ باسط علی کے جوابات حاضر ہیں۔

سوال :۔ باسط بھیا! آپ میرے پسندیدہ کرکٹرز میں سے ایک ہیں۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آپ زیادہ تر میانداد اسٹائل اپناتے ہیں۔ یہ بتایئے کیا آپ کو اپنا کوئی ذاتی اسٹائل نکالنے کی

نہیں سوجھی؟

(سیدہ صائمہ دلدار، جھمرہ سٹی)

باسط علی :۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں جاوید بھائی کا اسٹائل نہیں اپناتا میرا نیچرل اسٹائل ہے۔

سوال :۔ اگر آپ شین وارن کے ایک اوور کی ساری گیندوں پر چھکا ماردیں اور پھر آپ کی آنکھ کھل جائے تو آپ کیسا محسوس کریں گے۔

(احمد فرقان، ملتان)

باسط علی :۔ واہ احمد میاں، ایک تو اتنا اچھا خواب دکھایا اور پھر خود ہی آنکھ بھی کھلوادی یہ غلط بات ہے۔ خیر آپ نے تو خواب دکھایا ہے۔ انشاء اللہ میں کبھی نہ کبھی اس کو حقیقت کا روپ ضرور دوں گا۔

سوال :۔ باسط بھائی میں بھی آپ کی طرح ایک اچھا بیٹسمین بننا چاہتا ہوں آپ جلدی سے اچھا بیٹسمین بننے کی ترکیب بتادیں؟

(ثاقب عباس وڑائچا نوالہ)

باسط علی :۔ خوب پریکٹس کریں۔ اور کسی اچھے کلب کو جوائن کرلیں۔ اگر آپ میں صلاحیت ہو گی تو آپ ضرور اچھے بیٹسمین بنیں گے۔

سوال :۔ اگر آپ کرکٹر نہ ہوتے تو کیا بننا پسند کرتے؟

(صائمہ محمود، کراچی)

باسط علی :۔ تو بھی کرکٹر ہی بننا پسند کرتا۔

سوال :۔ آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟

(آصف نصراللہ، کراچی)

اباسط علی :۔ میری دلی خواہش پاکستان کے لئے زیادہ سے زیادہ کھیلنا اور پاکستان کو مزید کامیابیاں دلانے میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔

سوال :۔ باسط بھائی آپ نے بہت تھوڑے میچز کھیل کر ایک ہزار رنز مکمل کئے۔ آپ کسی بولر کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتے۔ اسٹریٹ چھکا آپ کا دیکھنے کے قابل ہے۔ آپ کو میں نے شائد ابھی تک ہیلمٹ پہنے بھی نہیں دیکھا۔ پوچھنا یہ ہے کہ ون ڈے کے علاوہ ٹیسٹ میچوں میں بھی آپ بہتر کھیلیں میرا مطلب ہے کوئی سنچری وغیرہ ہوجائے تو کیا حرج ہے۔ کیا میں انتظار کروں؟

(محمد ریحان، اسلام آباد)

باسط علی :۔ میرے خیال میں اب شاید آپ کا انتظار ختم ہوچکا ہے۔ ٹیسٹ کرکٹ میں بھی میں سنچری بنا چکا ہوں۔

سوال :۔ کیا آپ کو جاوید میاں داد بچپن سے ہی پسند تھے کہ آپ نے ان کا انداز اپنایا تھا؟

(شیریاد گل، پشاور)

باسط علی :۔ جی ہاں جاوید بھائی بچپن ہی سے

میرے آئیڈیل ہیں۔

سوال :۔ باسط انکل آپ نے شارجہ کپ کے فائنل میں ایمبروز کی جو پٹائی کی تھی اسے دیکھ کر مزہ آگیا۔ اسی طرح کھیلتے ہوئے ون ڈے میں ڈبل سنچری بنانے کے بارے میں کیا خیال ہے۔

(رضوان ظہیر خانزادہ، کراچی)

باسط علی :۔ آپ لوگوں کی دعائیں ساتھ دیں گی تو انشاء اللہ ایک روز ڈبل سنچری بھی ضرور بنے گی۔

سوال :۔ باسط بھائی! ہمارے کچھ کھلاڑی ویسٹ انڈیز کے باؤلروں کا سامنا کرتے ہوئے اس لئے دِقّت محسوس کرتے ہیں کہ کالی آندھی کے سامنے بھلا وہ کیا کریں۔ لیکن شارجہ میں تو آپ نے کالی آندھی والے باؤلروں کو اونچے اونچے چھکے مارے کہ بے چاروں کا برا حال ہوگیا۔ کیا آپ کو اس وقت ان کی زبردست پٹائی کرتے ہوئے مزہ آیا تھا؟

(محمد عبدالرحیم، ملتان)

باسط علی :۔ جی ہاں میں اس وقت بیٹنگ کرکے بہت انجوائے کررہا تھا مگر افسوس کہ میری اننگ کے باوجود ہم میچ ہار گئے تھے۔

سوال :۔ باسط بھائی اگر دوپہر کا وقت ہو اور میں کہوں کہ رات ہورہی ہے تو ایسے میں آپ کیا کہیں گے؟ (محمد بلال، مینگورہ)

باسط علی :۔ میں آپ سے کہوں گا کہ بلال صاحب فوراً کسی دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کرائیں۔

سوال :۔ باسط بھائی آپ میں جاوید بھائی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

(توقیر حسین)

باسط علی :۔ جاوید بھائی، میرے آئیڈیل کھلاڑی ہیں۔ اگر میری بیٹنگ میں ان کی جھلک ہے تو یہ میرے لئے فخر کی بات ہے۔

سوال :۔ میں نے ایک اوور میں ۶ چھکے مارے آپ کے خیال میں یہ کوئی عالمی ریکارڈ ہے؟

(اظہر محمود قاضی، پنڈی)

باسط علی :۔ جی کھلی چھت کی کرکٹ کا یہ ورلڈ ریکارڈ ہے۔

سوال :۔ باسط بھائی! فرض کریں کہ آپ انڈیا کے خلاف میچ کھیل رہے ہیں اور ۱۹۹ رنز پر امپائر آپ کو ایک بالکل غلط آؤٹ دے دیتا ہے تو کیا آپ شرافت سے پویلین میں واپس چلے جائیں گے۔ یا احتجاج کریں گے؟

(صائمہ شاد، کراچی)

باسط علی :۔ غصہ تو بہت آئے گا۔ مگر امپائر سے احتجاج کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔

سوال :۔ جناب باسط علی صاحب کیا آپ کو

بچپن ہی سے کرکٹ کھیلنے کا شوق تھا' یا پھر جوانی میں کرکٹ کھیلنے کا شوق پیدا ہوا؟

(لعل بخش لکھن' ممتاز علی لاشاری' ہدایت اللہ کورائی' ابراہیم سندھی' جیکب آباد سندھ)

باسط علی :۔ مجھے بچپن ہی سے کرکٹ کھیلنے کا شوق تھا' میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے اچھے لوگ مل گئے جن کی وجہ سے میں کرکٹ میں نام کمانے کے قابل ہوا۔

سوال :۔ باسط بھائی یہ بتائیں کہ آپ کو تو مستقبل کا میاں داد کہا جاتا ہے لیکن آج کل آپ زیادہ جم کر نہیں کھیل رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

(حماد بن اعجاز' ملتان)

باسط علی :۔ مجھے بھی آپ کی طرح اس بات کا احساس ہے کہ آج کل میری فارم اتنی زیادہ اچھی نہیں ہے اپنی کوشش تو کر رہا ہوں آپ بھی دعا کریں کہ میں پہلے والی فارم میں آجاؤں۔

سوال :۔ ہم سب آپ کو پسند کرتے ہیں ہمیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ کوئٹہ میچ کھیلنے کبھی نہیں آئے۔ کیا آپ کو ہمارا شہر اچھا نہیں لگتا۔

(اقرا اور کرن' کوئٹہ)

باسط علی :۔ پیاری اقرا اور کرن آپ مجھے پسند کرتی ہیں۔ آپ کا شکریہ۔ کوئٹہ میں جب بھی میچ ہوا تو میں ضرور کھیلنے آؤں گا۔ اپنے ملک کے دوسرے شہروں کی طرح مجھے بھی کوئٹہ بہت پسند ہے۔

سوال :۔ باسط بھائی آپ کے آئندہ ورلڈ کپ کے بارے میں کیا خیالات ہیں۔ اور آپ کے خیال میں کون فاتح ہوگا؟

(محمد شاہد منتظر' بورے والا)

باسط علی :۔ اگر ابھی سے صحیح پلاننگ کی گئی تو انشاء اللہ اس دفعہ بھی ہم ورلڈ چیمپئن بنیں گے۔

اچھے ساتھیو! "آمنے سامنے" کا یہ آخری سلسلہ تھا۔ ہم تمام قارئین کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس کالم کو پسند کیا اور اس میں بھرپور طریقے سے حصہ لیا جس کی وجہ سے ایک سال تک یہ کالم جاری رہا۔ شروع سے لے کر اب تک جتنے بھی "آمنے سامنے" کے انعام یافتگان جن کو اب تک انعام نہیں ملا ہے۔ اپنے مکمل پتے کے ساتھ جلد از جلد رابطہ کریں۔ تاکہ ان کو انعام روانہ کیا جاسکے۔ آئندہ ماہ سے انشاء اللہ آپ کی دلچسپی کے لئے ایک نیا سلسلہ "میرے بچپن کے دن" شروع کیا جائے گا۔ جس میں ہر ماہ کوئی مشہور شخصیت اپنے بچپن کے دلچسپ واقعات آپ کے لئے تحریر کرے گی۔

اب میں کیا کروں؟

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سگے بھائی بہن مجھ سے بیزار رہتے ہیں۔ اور ہر وقت کسی نہ کسی بہانے مجھ سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ میری بڑی بہن تو مجھ سے نفرت کرتی ہے اور بلاوجہ مجھ سے لڑتی رہتی ہے۔ اسے اپنی سہیلیوں سے تو محبت ہے لیکن اسے مجھ سے 'اپنے چھوٹے بھائی سے ذرا پیار نہیں۔ وہ زیادہ وقت فون پر باتیں کر کے اور ٹیلی وژن دیکھ کر گزارتی ہے-------- اور جب میں اپنے والدین کو یہ سب کچھ بتاتا ہوں تو وہ کہتے ہیں: "بڑی بہن ہے' کوئی بات نہیں۔" میرا بڑا بھائی بھی کبھی کبھی مجھ سے لڑتا ہے------ مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا۔ اسی لئے کبھی کبھی میں بھی بھائی یا باجی سے لڑ پڑتا ہوں۔ آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں جس سے میرے بھائی بہن مجھ سے لڑنا چھوڑ دیں۔

(ک' ل۔ حیدر آباد)

پچھلے مہینے م' س نے ملتان سے اپنا مسئلہ بھیجا تھا۔ ان کا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے مزاج میں غصہ بہت زیادہ ہے اور وہ بات بات پر دوسروں سے لڑ پڑتے ہیں۔ اباجان کے علاوہ کسی سے خوف محسوس نہیں ہوتا۔ انہیں خود بھی احساس رہتا ہے کہ اتنا غصہ کرنا اچھی بات نہیں ہے لیکن کیا کریں عادت سے جو مجبور ہیں۔ ان کے غصے کی عادت پر بہت سے ساتھیوں نے ناراضگی ظاہر کی

ہے۔ مثلاً

افشاں غفار، گلبرگ کراچی۔

لکھتی ہیں کہ م س صاحب شاید کسی احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں ان کی تربیت پر توجہ نہیں دی گئی اور والدین کے لاڈ پیار نے انہیں بگاڑ دیا ہے۔ اب اس کا حل یہی ہے کہ وہ اپنے غصے پر قابو پانا سیکھیں۔ ماں باپ کی خدمت کریں۔ ویسے بھی غصہ کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔

محمد رحمت اللہ بشیر قادری، گجرات۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے : "غصہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔ جناب م س --- کسی بھی بات پر بلاوجہ غصہ کرنا ایک شیطانی عمل ہے۔ دراصل آپ کو اپنے اوپر کنٹرول نہیں ----- آپ کا نفس عقل پر حاوی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ ہر ایک کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے ۔ آپ کے اول فول بک جانے سے آپ کے گھر والوں کو کتنی ٹھیس پہنچتی ہوگی۔ آپ کی پیاری والدہ صاحبہ جو آپ کو ذرا بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں، آپ نے کتنی بار ان کا دل دکھایا ہوگا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ سب سے معافی مانگ لیں اور کم باتیں کیا کریں کیونکہ اکثر جھگڑے فضول باتوں سے ہوتے ہیں۔

طارق علی یوسفی، لطیف آباد، حیدر آباد۔

غصے سے بچنے کا طریقہ حضور اکرمؐ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے : "جب انسان کو غصہ آئے تو وہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے اور پھر یہ پانی پیے۔" م س صاحب کو میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ نماز نہیں پڑھتے تو نماز پڑھنا شروع کردیجیے۔ نماز انسان کو برائیوں سے روکتی ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہو اگر صبح ترجمے کے ساتھ قرآن بھی پڑھیں۔

شیر یار علی بخاری، لاہور۔ م س صاحب نے لکھا ہے کہ وہ صرف اپنے ابو سے ڈرتے ہیں حالانکہ انہیں سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ۔ کیونکہ اصلی سزا تو وہی دینے والا ہے۔ غصہ دور کرنے کے لئے انہیں چاہیے کہ اپنی صحبت بدلیں، اپنے دوست بدلیں، اچھے دوست ملیں گے تو پرانی عادتیں بھی بدل جائیں گی۔

تنویر بخش، اورنگی ٹاؤن، کراچی۔

جوں ہی غصہ آئے فوراً" درود شریف کا ورد شروع کردیں، جس سے آپ خود کو غصے سے آزاد محسوس کریں گے۔

شبانہ صدیقی، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

آپ کے غصے، جھنجلاہٹ اور چڑچڑے پن کا علاج صرف اور صرف خاموشی ہے۔ غصہ کس کو

انعام یافتہ حل

م س صاحب آپ کا کہنا ہے کہ آپ بات بات پر لڑپڑتے ہیں اور غصے کا اظہار بھی زیادہ کرتے ہیں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ میں قوت برداشت بالکل بھی نہیں ہے کسی بھی معاملے کو لڑائی بھڑائی یا غصے سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ بات چیت کرتے وقت نرمی اختیار کریں چہرہ' آواز' لہجہ اس طرح رکھیں جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو۔ کسی کی تردید کرنی ہو تو ہمیشہ سادگی سے معذرت کے الفاظ استعمال کریں دوران گفتگو کوئی اپنی رائے تبدیل نہ کرے تو تکرار نہ کریں۔ یہ کہہ کر معاملہ ختم کردیں کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا پھر اظہار خیال کروں گا۔ اور ہاں نماز کی عادت ڈال لیجئے۔ نماز پڑھنے سے انشاء اللہ آپ لڑائی جھگڑے اور بیہودہ باتوں سے بچ جائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خلوص دل سے اللہ کے آگے جھکیں۔ انشاء اللہ چند ہی دنوں میں آپ میں غیر معمولی تبدیلی آجائے گے اور آپ کی یہ عادت ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے گی۔

خرم نذر وڑائچ' لاہور

نہیں آتا مگر کچھ ایسے ہوتے ہیں جو غصے پر سوار ہوجاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن پر غصہ سوار ہوجاتا ہے۔۔۔۔۔اسی لئے امام غزالی نے فرمایا کہ "بڑا انسان وہ ہے جسے اپنی زبان اور اپنے دل پر قابو ہو۔"

سیدہ ماہ نور جعفری' گجرات۔ آپ نیند اچھی طرح لیا کریں۔ نیند پوری نہ ہونے سے بھی مزاج میں چڑچڑاہٹ اور غصہ پیدا ہوجاتا ہے۔

شازیہ صدیقی' نارتھ ناظم آباد' کراچی۔

غصہ وہ جو منہ تو کھول دے مگر آنکھیں بند کردے اگر آپ ہر ایک سے اخلاق سے بات کریں تو نہ صرف لوگ آپ کی عزت کریں گے۔ بلکہ آپ خود بھی اپنے اندر تازگی پائیں گے۔

عنبرین آمنہ صدیقی' جامشورو' سندھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ پاؤں اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" غصہ میں انسان آپے سے باہر ہوجاتا ہے اسی لئے اسلام میں غصے کو حرام کہا گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ ایکشن اور مار دھاڑ سے بھرپور فلمیں دیکھنا بند کردیں کیونکہ ایسی فلمیں ہیرو بننے پر اکساتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ پرندوں اور پودوں سے محبت کریں اس سے آپ کے دل کی نفرتیں اور کدورتیں ختم ہوجائیں گی۔ یاد رکھئے اگر دنیا میں کچھ بننا ہے تو اپنے حواس پر قابو پانا ہوگا۔ ■

جادو

شبیر احمد شہپر

ایک قصبے میں دو دوست رہا کرتے تھے۔ لوگ ان کی دوستی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ ایک دن اس ملک کے بادشاہ نے ان میں سے ایک کو کسی بات پر ناراض ہو کر حکم دیا کہ تمہاری جان اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب تم مجھے کسی ایسے جادو کا نام بتاؤ جس کے اثر کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہو۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے اسے ایک ہفتے کی مہلت دی۔

وہ اداس اداس گھر آیا اور اپنے دوست کو سارا حال کہہ سنایا۔ دونوں سوچ بچار کرنے لگے۔ جب اس بات کا قصبے والوں کو پتہ چلا تو وہ بھی کوئی حل ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قصبے والے ان دونوں کے احسان مند تھے۔ وہ دونوں دوست تھے ہی اتنے اچھے کہ ہر کسی کے دکھ درد میں کام آتے تھے۔

اس گاؤں میں ایک عقلمند بوڑھا بھی رہتا تھا۔ اس نے انہیں تسلی دی کہ آپ لوگ سوچیں ممکن ہے کوئی بہتر ترکیب سمجھ میں آجائے لیکن

اگر ایسا نہ ہوسکے تو میں آپ کو جواب بتادوں گا۔

لوگوں اور دونوں دوستوں کو جب کوئی معقول جواب نہ سوجھا تو وہ اس عقلمند بزرگ شخص کے پاس آئے وہ کہنے لگا کہ پہلے مجھے اس سوال کا جواب دو کہ کام تو ایک کو کرنے کو کہا گیا ہے لیکن دوسرا دوست اور قصبے والے کیوں پریشان ہیں؟ لوگ اس بات پر بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ دکھ درد میں ایک دوسرے کے کام آنا انسان کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔ ہمارے مذہب میں تو ایمان کے بعد افضل ترنیکی خدمت خلق ہے۔ بزرگ آدمی مسکرایا۔ اور کہنے لگا کہ یوں کہو کہ یہ محبت کا جذبہ ہے۔ لوگوں نے اثبات میں سرہلایا تب اس نیک بزرگ نے کہا کہ وہ جادو جس کا اثر سب تسلیم کرتے ہیں، محبت کا جادو ہے۔ لوگ یہ دانش مندانہ جواب سن کر مطمئن ہوگئے۔

مہلت کی مدت جب ختم ہوئی تو نوجوان نے یہی جواب بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے ثبوت مانگا تو اس نے سارا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔ بادشاہ بزرگ شخص کی عقل مندی اور قصبے کے لوگوں کی آپس میں محبت سے بہت متاثر ہوا اور نہ صرف نوجوان کو معاف کردیا بلکہ اسے انعام سے بھی نوازا۔

کامیابی مبارک

اپنی کامیابی سے

ہمیں بھی باخبر کیجئے

آپ کسی بھی کلاس
کے طالب علم ہوں ... اگر آپ نے کلاس میں
——— پہلی پوزیشن ———
——— دوسری پوزیشن ———
یا
——— تیسری پوزیشن ———
حاصل کی ہے تو اس کی تصدیق اپنے تعلیمی
ادارے کے سربراہ سے کروائیے اور ہمیں
بھجوا دیجئے؛

ہم آپ کو

پرائڈ آف پوزیشن

کی سند دیں گے

تحریکِ فروغ علم میں پیش پیش

ماہنامہ

آنکھ مچولی

1- پی آئی بی کالونی، کراچی ۱۴

ہنستے ہنستے

منتخب لطائف

ڈاکٹر مریض سے۔ "اگر تم سگریٹ کی جگہ روزانہ دودھ پینا شروع کر دو تو جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔"

مریض : "مگر ڈاکٹر صاحب، میرے ایک دوست نے دودھ پینا شروع کیا تو وہ بڑی بری موت مرا تھا۔"

ڈاکٹر: "وہ کیسے؟"

مریض : "وہ دودھ پی رہا تھا کہ گائے اس پر گر گئی۔"

مرسلہ: اسماء بتول، کراچی

☆.....☆.....☆

استاد شاگرد سے، "پاکستان میں کتنے دریا ہیں؟"

شاگرد : "پانچ"

استاد : "شاباش، کون کون سے؟"

شاگرد : "پہلا دریا راوی، دوسرا میں ابھی سوچ کر بتاتا ہوں، تیسرا میری کتاب میں مٹا ہوا ہے، چوتھا مجھے یاد نہیں، پانچواں میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

مرسلہ: محمد زاہد سلیم آرائیں، کراچی

☆.....☆.....☆

جج (ملزم سے) "تمہیں چوری کرتے وقت اپنے بیوی بچوں کا خیال نہیں آیا؟"

ملزم : "آیا تو تھا۔ مگر دکان میں صرف مردانہ کپڑے تھے۔"

مرسلہ: محمد عثمان جلالیہ' اٹک

☆.....☆.....☆

ایک صاحب گہری نیند سو رہے تھے کہ آدھی رات کو اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' جب انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی "آپ کو جو تکلیف ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں بات یہ ہے کہ میں آپ کے پڑوس میں رہتا ہوں اور آپ کا کتا ساری رات بھونکتا رہتا ہے جس سے مجھے نیند نہیں آتی برائے مہربانی اس کا کچھ علاج کیجئے۔" وہ صاحب تو "شکریہ" کہہ کر سوگئے اور اگلی رات کو اسی ٹائم انہوں نے اپنے پڑوسی کو ٹیلی فون کیا اور کہا

"آپ کو جو تکلیف ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں بات یہ ہے کہ "وہ کتا میرا نہیں ہے۔"

مرسلہ: صائمہ اکرم' صادق آباد

☆.....☆.....☆

ٹیچر۔ "بچو! میں آج آپ کو دریائی گھوڑے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں لیکن اگر آپ میری طرف توجہ نہیں دیں گے تو ہرگز نہیں سمجھ سکیں گے کہ دریائی گھوڑا کیا ہوتا ہے....."

مرسلہ: افشاں بشیر' کراچی

☆.....☆.....☆

اسکول کے ایک ٹیسٹ میں مضمون کا عنوان تھا "کرکٹ میچ" ایک بچے نے صرف دو منٹ میں مضمون ختم کیا اور پیپر ٹیچر کے حوالے کرکے رخصت ہوگیا۔ پیپر میں لکھا تھا "بارش کی وجہ سے میچ نہیں ہوسکا۔"

مرسلہ: افشاں بشیر، کراچی

☆.....☆.....☆

میں آج کل جو کچھ بھی کررہی ہوں وہ آرٹ اور ہینڈورک کی مس کو بالکل پسند نہیں آرہا۔"

"تم کیا کررہی ہو؟"

"غلطیاں۔"

مرسلہ: افشاں بشیر، کراچی

☆.....☆.....☆

دو دوست ایک عمارت کی پندرہویں منزل پہ رہتے تھے۔ ایک دن بجلی فیل ہونے کی وجہ سے انہیں سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانا پڑا ایک دوست نے وقت گزارنے کے لئے کہا کہ تمہیں کوئی مزاحیہ واقعہ سناتا ہوں پھر تم مجھے کوئی افسوس ناک واقعہ سنانا جب وہ مزاحیہ واقعہ سنا چکا تو اس نے دوسرے سے کہا کہ اب تم افسوس ناک واقعہ سناؤ اس وقت تک وہ آخری منزل تک پہنچ چکے تھے۔ دوسرے دوست نے کہا افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ کمرے کی چابی نیچے رہ گئی ہے۔

مرسلہ: عائشہ سمیہ، کراچی

☆.....☆.....☆

بھکاری: "جناب میں معمولی بھکاری نہیں ہوں۔ میں نے ایک کتاب روپے کمانے کے سو آسان طریقے لکھی ہے۔"

راہ گیر: "پھر بھیک کیوں مانگتے ہو؟"

بھکاری: "یہ اس کی سب سے آسان ترکیب ہے۔"

مرسلہ: فوزیہ شمیم، کراچی

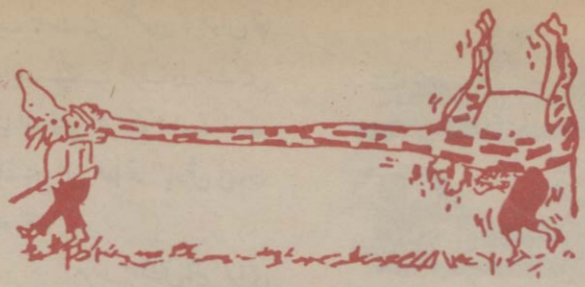

دو سگے بھائی ایک ہی اسکول اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ ان کے امتحان ہو رہے تھے۔ جب شام کو دونوں گھر آئے۔ تو ماں نے پوچھا۔

"عامر آج ماسٹر صاحب نے تم سے کیا پوچھا؟"

عامر بولا۔ "انہوں نے والد کا نام پوچھا تھا۔ میں نے بتادیا۔۔۔ محمد عمر۔"

"اور حامد بیٹا۔" ماں نے دوسرے بیٹے سے پوچھا۔ "تم سے کیا پوچھا تھا"؟

حامد۔ "مجھ سے بھی والد کا نام پوچھا تھا..... میں نے محمد بابر بتادیا۔"

ماں : "ارے تم نے جھوٹ موٹ کا نام کیوں بتادیا؟"

حامد : "امی بھیا نے کہا تھا کہ ایک جیسا نام بتائیں گے تو ماسٹر صاحب کہیں گے کہ انہوں نے نقل کی ہے۔"

مرسلہ : کاشف عالم، کراچی

☆.....☆.....☆

فقیر : "بابا خدا کے نام پر کچھ دے دو۔"

راہ گیر : "تمہارے پاس دس روپے کا کھلا ہوگا۔"

فقیر : "جی ہاں! جی ہاں۔"

راہ گیر : "تو پہلے اسے خرچ کرو ناں۔"

مرسلہ: نجم الثاقب، کراچی

☆.....☆.....☆

لڑکا (دودھ والے سے) "ایک کلو بھینس کا دودھ دے دو۔"

دودھ والا : "تمہارا برتن چھوٹا ہے۔"

لڑکا : "تو پھر بکری کا دودھ دے دو۔"

مرسلہ: فہد اکرام، کراچی

☆.....☆.....☆

"جب کلاک تیرہ بجائے تو کیا کرنا چاہیے۔"

"اپنے کلاک کی مرمت"

مرسلہ: سدرہ عالم، کراچی

☆.....☆.....☆

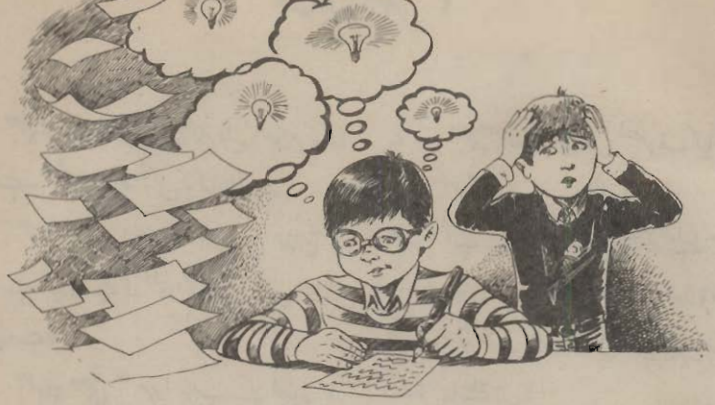

سوال آدھا جواب آدھا

مرتب: محمد بن مالک

مئی ۱۹۹۵ء کے خاص نمبر سے "سوال آدھا جواب آدھا" کے عنوان سے جو نیا کوئز مقابلہ شروع کیا گیا ہے قارئین نے اسے بہت پسند کیا۔ پرچہ تاخیر سے بازار میں آنے کے باوجود ہمیں ڈھیروں جوابات موصول ہوئے۔ لیکن اس بار صرف صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام شامل کیئے جا رہے ہیں۔ کچھ ساتھیوں نے مقابلے میں شرکت کی شرائط کی پابندی نہیں کی اس لئے وہ مقابلے سے خارج کر دیئے گئے۔ براہِ کرم شرائط کی پابندی کیجئے تاکہ آپ بھی انعام کے حق داروں کی فہرست میں شامل ہو سکیں۔ شرائط یہ ہیں۔ جوابات الگ صفحے پر خوش خط لکھئے۔ آپ کے جوابات ہر ماہ کی دس تاریخ تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

مقابلہ نمبر ۲

۱۔ "ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔ "اُم الانبیاء" کن کو کہا جاتا ہے؟

۲۔ "ذوالنورین" حضرت عثمان بن عفانؓ کا لقب ہے۔ یہ بتائیے کہ "ذوالجناحین" کن صحابیؓ کا لقب ہے؟

۳۔ "اردو معلّٰی" مرزا غالب کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ "اردو مصفّٰی" کس کے خطوط کا مجموعہ ہے؟

۴۔ "بالِ جبریل" علامہ اقبال کا مجموعۂ کلام ہے۔ "بالِ ہما" کس مشہور شاعر کا مجموعہ کلام ہے؟

۵۔ ہائیڈرومیٹر (Hydrometer) سے سیال اشیا (Liquids) کی کثافت معلوم کی جاتی ہے یہ بتائیے کہ ہائیگرومیٹر (Hygrometer) کس کام آتا ہے؟

۶۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارت نے پاکستان کے ۴۴۶ مربع میل رقبہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ پاکستان نے بھارت کا کتنا علاقہ فتح کیا؟

۷۔ "محمدؐ" کے معنی ہیں "تعریف کیا گیا"۔ آپ "احمدؐ" کے معنی بتادیجئے؟

۸۔ آپ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں علی برادران یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ کیا آپ خیری برادران کے نام بتاسکتے ہیں؟

۹۔ خون کا "او" گروپ ("O" Group) رکھنے والا شخص ہر شخص کو خون دے سکتا ہے' لیکن صرف اپنے ہی خون گروپ کا خون لے سکتا ہے۔ آپ خون کے اس گروپ کا نام بتائیے جس کا رکھنے والا ہر شخص کا خون لے سکتا ہے لیکن اپنا خون صرف اپنے گروپ والے شخص کو ہی دے سکتا ہے۔

۱۰۔ کسی کرکٹ ٹیسٹ میچ کی ایک اننگ میں کسی ایک کھلاڑی کا زیادہ سے زیادہ چھکے لگانے کا ریکارڈ انگلینڈ کے سر والٹر ریگمنڈ ہیمنڈ کا ہے (۱۰ چھکے)۔ آپ ایک اننگ میں زیادہ سے زیادہ چوکے لگانے والے کھلاڑی کا نام' چوکوں کی تعداد اور جس ملک سے تعلق ہو' اس کا نام بتائیے؟

گزشتہ ماہ کے درست جوابات

(۱) حبیب اللہؐ (۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۳) نواب مرزا داغ دہلوی (۴) مصور غم علامہ راشد الخیری (۵) جان بار ڈین (فزکس) (۶) کیپٹن جرجیس ناگی (۷) اسٹرابیری کی کریم ملی ہوئی سوئٹ ڈش (۸) شہنشاہ نورالدین جہانگیر (۹) نیوزی لینڈ۔۳۶ رنز (۱۰) ہرکوئل پوئرو۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب

آصف رضا، کوٹ ادو۔ مظفر حسین خان، لاہور۔ زین اختر، کراچی۔

درست جواب دینے والے ساتھی

سعدیہ خان، کراچی۔ وسیم خان، کراچی۔ راشد احمد، ملتان۔ اعجاز احمد، پنوں عاقل۔ عمر رضا، مبی۔ احسان علی، کوئٹہ۔ عبدالحمید آرائیں، فیصل آباد۔ کاشف الرحمان، ڈیرہ اسماعیل خان۔ جنید عالم، بنوں۔ وحید رضا، حیدر آباد۔ صائمہ اکرام، کراچی۔ عظمیٰ بیگ، کراچی۔ نورالدین، خانیوال۔ آصف پٹیل، کراچی۔ روبینہ ناز، مخدوم پور۔ اکرم رضا، ٹھٹھہ۔ جنید غفار، ڈیرہ اسماعیل خان۔ ندیم شاہد، وسیم شاہد، تمیم شاہد، خانیوال۔ مجیب عالم، کوٹلی۔ واجد علی، ماجد علی، نور بانو، ہزارہ۔ محمد شارب، محمد وقاص، محمد حارث، کراچی۔ شمائلہ شکیل، حمیرا ناز، فلذا شکیل، گھونکی۔ یاسر بن صغیر، تہمینہ، حارث صغیر، اسد بن صغیر، کراچی۔ فوزیہ شمیم، شگفتہ شمیم، آزاد کشمیر۔ نور محمد لاکھانی، ٹھٹھہ۔ شاہد علی خان، کوہاٹ۔ گل محمد خان، نور محمد خان، نور احمد خان، سوات۔ آمنہ خالق، میاں چنوں۔ زاہد بشیر، فیصل آباد۔ نذیر اختر، جنید اختر، نوید اختر، کراچی۔ عمر احمد خان، ڈی جی خان۔ شہیر احمد، شبیر احمد، کراچی۔ آمنہ ریاض، الطاف حسین، لاہور۔ شائستہ احمد، اوکاڑہ۔ معین اختر، محمد قاسم، کراچی۔ کامران مرزا، بھلوال۔ آصف چنگیزی، لالہ موسیٰ۔ منور شاہ، نیر شاہ، چیچہ وطنی۔

ایک ہفتے کی سزا

حفصہ صدیقی

رافع ٹی وی پر اپنا پسندیدہ کارٹون دیکھ رہے تھے ممی کچن میں مصروف تھیں۔

"رافع بیٹا کارٹون دیکھنے کے بعد اپنا ہوم ورک کر لینا۔ تم نے کل بھی ہوم ورک نہیں کیا تھا۔ تمہاری ٹیچر شکایت کر رہی تھیں....." کچن سے ممی نے آواز دی۔

"امی..... نہیں ابھی مجھے عینک والا جن" بھی دیکھنا ہے اس کے بعد ہوم ورک کروں گا۔" رافع نے چیخ کر جواب دیا۔

"اسی طرح آپ کا پورا دن گزر جاتا ہے۔ بچوں کے پروگرام تو دیکھتے ہی ہو بڑوں کا بھی کوئی ایک نہیں چھوڑتے....." امی نے جھاڑ پلا دی۔ مگر وہ رافع ہی کیا جو بات مان لیں منہ بسورتے ہوئے ایک دفعہ پھر کارٹون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کھانے کی میز پر ابھی امی ابو کے سامنے شکایت کرنے ہی والی تھیں کہ ابو نے ایک بری خبر سنا دی

"رافع بیٹا آپ کے لئے ایک بری خبر

ہے۔" ابو نے خاصا سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

"بری خبر؟؟ میرے لئے؟؟؟" رافع کے ساتھ امی بھی چونکیں تھی۔

"جی ہاں اور وہ خبر یہ ہے کہ ایک ہفتے تک آپ بالکل ٹی وی نہیں دیکھ سکتے۔"

"کیوں کیا آپ ٹی وی بننے کو دے رہے ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"تو کیا ایک ہفتے تک ٹی وی پر کوئی پروگرام نہیں آئے گا؟" رافع کو وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے۔" اب کہ امی بول پڑیں۔

اصل میں میرے ایک دوست کی ریسرچ اکیڈمی ہے وہ بچوں پر ٹیلی ویژن کے اثرات پر کام کر رہے ہیں اس سلسلے میں تقریباً پانچ سو بچوں پر تجربہ کر رہے ہیں کہ ان بچوں پر ایک ہفتے تک ٹی وی دیکھنے پر بالکل پابندی ہوگی اس دوران یہ بچے ڈائری لکھیں گے اور اس کے بعد ٹی وی دیکھنے والے دنوں کی ڈائری سے اس ڈائری کا موازنہ کیا جائے گا۔"

"تجربہ تو ویسے اچھا ہے مگر مشکل بہت ہے۔" امی بولیں۔

"مگر میں یہ تجربہ نہیں کروں گا۔" ٹی وی چھوڑنا رافع کے لئے ایک دن بھی مشکل تھا کجا کہ ایک ہفتہ کے لئے۔

"رافع جیسا ابو کہہ رہے ہیں ویسا ہی کرو۔" امی نے ہدایت کی۔ رافع بھی جانتا تھا کہ ابو کا فیصلہ ابو کا تھا جس پر اسے عمل تو کرنا ہی تھا۔

اگلے دن صبح رافع کی ٹی وی پر نظر پڑی تو اس پر ایک کارڈ لگا ہوا تھا جس پر Dont Watch TV کے الفاظ درج تھے، رافع پیر پٹختے ہوئے اسکول کے لئے تیار ہو گئے۔

اسکول سے آنے کے بعد رافع نے بستہ پٹخا اور ٹی وی آن کرنے بڑھے مگر سامنے سفید کارڈ پر ہدایت لکھی ہوئی نظر آ گئی چار و ناچار بستہ اپنے کمرے میں لے گئے یونیفارم بدل کر کھانا کھایا۔ بہت دنوں بعد رافع نے ٹی وی نہ دیکھتے ہوئے کھانا کھایا۔ مجبوراً ان کی نگاہ ٹی وی اسکرین کے بجائے کھانے پر ہی رہی۔ اتنے میں امی بھی اسکول سے واپس آ گئیں۔ امی قریبی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد رافع کچھ دیر سو گئے سو کر اٹھے تو امی کھانے کے برتن دھو رہی تھیں۔ اوہ یہ تو کارٹون کا وقت ہو گیا مگر جیسے ہی وہ ٹی وی کی طرف بڑھے سفید کارڈ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"امی آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"برتن دھو رہی ہوں۔" امی کو ایسے سوالات سے سخت الرجی تھی مگر برداشت کر گئیں۔

"لائیں یہ برتن میں لگادوں۔" رافع کچھ دیر تک کچن میں امی کی مدد کرتے رہے اس کے بعد ہوم ورک کرنے بیٹھ گئے آج خلاف معمول ہوم ورک بھی جلدی ختم ہو گیا۔ ابھی صرف آٹھ بجے تھے اور عام دنوں میں وہ آٹھ سے نو بجے تک تو ڈرامہ دیکھتے تھے اب کیا کریں رافع کو بوریت محسوس ہونے لگی۔

"امی مجھے بوریت ہو رہی ہے'۔ میں کیا کروں۔"

تمہارے ماموں جو کتابوں کا سیٹ لائے تھے وہ آپ نے کھول کر بھی نہیں دیکھا۔

"ہاں ..... یہ صحیح ہے۔" رافع کو نجات کی صورت نظر آئی کتابوں کا یہ سیٹ رافع نے اس وقت دیکھا تھا جب ماموں لے کر آئے تھے اور آج اسے کھول کر دیکھ رہے تھے۔ کہانیاں پڑھنی شروع کیں رافع کو بڑا مزا آیا اس سے پہلے انہیں کہانیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی گھر میں آنے والے رسالوں میں بھی صرف لطیفہ اور کارٹون تک ہی مطالعہ محدود تھا یہ کہانیاں رافع کو بڑی مزے کی لگیں۔

"سونے سے پہلے ڈائری لکھنا مت بھولئے گا....." کھانے پر ابو نے ایک دفعہ پھر یاد دہانی کرائی "مگر میرے پاس ڈائری نہیں ہے" رافع نے کمزور سا بہانہ بنایا۔

"میں نے آپ کی ٹیبل پر رکھ دی ہے۔" ابو نے کہا اور بات ختم ہو گئی سونے سے پہلے رافع ڈائری لکھنا نہیں بھولے۔

اب رافع روز ڈائری لکھ رہے تھے

ہفتہ

صبح سات بجے امی نے اٹھایا جلدی جلدی تیار ہو کر اسکول گیا۔ اسکول سے آکر کھانے کے بعد امی کی مدد کی، پھر ماموں جان کی تحفے میں دی ہوئی کتابیں پڑھیں ابھی مکمل تو نہیں ہوئیں مگر بہت مزا آیا۔ آج میرا ہوم ورک بھی پورا ہو گیا۔ اب ڈائری لکھ رہا ہوں۔

اتوار

اسکول سے آکر بہت بوریت ہوئی پہلے روزانہ ٹی وی دیکھتا تھا۔ تھوڑی دیر سویا شام کی چائے میں امی کی مدد کی باہر جا کر تھوڑی سی سیر کی۔ وہیں پارک کے مالی بابا مل گئے ان کی مدد بھی کی اور ان سے خوب ساری باتیں کیں۔ گھر پر آکر اسکول کا ہوم ورک کیا اور تھوڑی سی کہانیاں پڑھیں۔

پیر

اسکول سے آنے کے بعد فوراً مالی بابا کے پاس گیا انہوں نے مجھے قلمیں لگانا سکھائیں اب میں گھر میں بھی پودے لگاؤں گا۔ مالی بابا نے مجھے دو پودے دیئے ہیں پودے لگانے کے بعد کھانا کھایا اور تھوڑی دیر سو گیا اٹھنے کے بعد امی کی مدد کی اور پھر ہوم ورک کیا۔ آج جلدی ہوم ورک ہو گیا جو پہلے کے نامکمل کام تھے وہ بھی کر لئے۔

منگل

آج اسکول میں احمد اپنا پزل لے کر آیا تھا اس

سے مجھے اپنا تھری فنٹی پیزو والا پزل یاد آ گیا اسکول سے آتے ہی وہ نکالا تھوڑا سا بنانے کے بعد نیند آ گئی۔ شام میں پودوں کو پانی دیا اور امی کے ساتھ تھوڑا سا کام کیا اب مجھے ٹی وی بھی یاد نہیں آ رہا حالانکہ دو تین دن پہلے میں ٹی وی کے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتا تھا۔

بدھ

گھر میں داخل ہوتے ہی لان پر نظر پڑی میں نے جلدی سے یونیفارم بدلا اور لان کی صفائی شروع کر دی۔ ابھی تھوڑی سی صفائی ہی ہوئی تھی امی نے کھانے کے لئے بلا لیا کھانے کے بعد تھوڑی دیر سو گیا شام میں تھوڑی باہر جا کر کھیلا۔ چائے کے بعد ایک دفعہ پھر پزل بنانا شروع کر دیا ابو نے بھی میری مدد کی سات بجے ہوم ورک کیا۔ آج ابو کچھ کہانیوں کی کتابیں لائے تھے وہ پڑھیں۔ اس میں بہت دلچسپ کہانیاں ہیں۔

جمعرات

آج میں نے پورا لان صاف کر لیا اب صرف پودے لگانا ہیں مالی بابا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے اچھے اچھے پودوں کے بیج اور قلمیں دیں گے۔ شام میں ہوم ورک کرنے کے بعد پھر پزل اسٹارٹ کر دیا ایک کہانی ادھوری رہ گئی تھی وہ پڑھی اب ڈائری لکھ کر سو جاؤں گا۔

رافع بیٹا جلدی اٹھو تمہارے لئے ایک اچھی خبر ہے۔ سوتے میں رافع کے کان میں آواز آئی۔ اچھی خبر؟؟ جلدی سے منہ دھو کر آؤ ناشتے کی میز پر وہ اچھی خبر ملے گی ابو جلدی بتایئے اچھی خبر..... رافع خاصے بے تاب تھے آپ کی سزا ختم ہوئی اور اب آپ ٹی وی دیکھ سکتے ہیں۔

"ابو" رافع میاں بولے اور "اب یہ اچھی خبر سنیں..... ابھی تو مجھے لان بنانا ہے کہانی مکمل کرنی ہے اور پزل بھی....."

دلچسپ و عجیب

۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ یارک شائر میں ایک کسان کالڑ کا نام پارکن اپنے کمرے میں کھڑا تھا کہ بجلی کڑکی اور روشندان کے راستے اندر گری لڑکے کو ذرا بھی خراش نہ آئی جبکہ اس کے پاؤں میں موجود جوتے راکھ بن گئے۔

۱۹۴۵ء میں روس کے ایک بادشاہ نے برفانی علاقے میں ایک برف کا محل تعمیر کروایا تھا۔ اس کی تعمیر میں صرف برف اور لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

دنیا کا سب سے بڑا درخت لندن کے ایک پارک میں موجود ہے۔ یہ درخت اتنا بڑا ہے کہ اگر اسے کاٹ کر دیا سلائی کی تیلیاں بنائی جائیں تو وہ تیلیاں اتنی تعداد میں ہوں گی کہ دنیا کے ہر شخص کو دیا سلائی کی ایک تیلی مل سکتی ہے۔

لندن کے چڑیا گھر میں ایک گدھے کی شکل والا جانور موجود ہے۔ اس کا نام میکالا گوما ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کے سر پر سینگ بھی موجود ہیں۔

جرمنی کے جان کیڈبر نے ۱۸۸۰ء میں ایک پورا بیل ۴۲ دنوں میں کھا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جو آج تک کوئی نہیں توڑ سکا۔

مرسلہ: نعمان عطاء اللہ نوکھر، گوجرانوالہ۔

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوں کے جواب

شبانہ رشید، کراچی:۔ خاص نمبر دیکھا اور پڑھا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار پھر آنکھ مچولی نے اپنا خاص معیار برقرار رکھا۔ البتہ نظموں کا انتخاب زیادہ اچھا نہ تھا۔ ماہِ رواں کی پہلی بات پسند آئی۔ گو اچھے الفاظ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مگر خاص نمبر کی قیمت زیادہ لگی بہرحال طاہر مسعود صاحب نے جس مجبوری کا اظہار کیا اس کا اندازہ ہوا۔ کہانیوں میں "اداس لڑکا" "حل" اور "دیر نہ ہوجائے" بہترین کہانیاں تھیں۔ مضامین بھی اچھے اور معلوماتی تھے۔ "شریف آدمی شریر شاعر" "بچے ہمارا مستقبل" "ایک خبر ایک کہانی" جیسے انٹرویوز پسند آئے۔ تحریری مباحثے میں محمد رافع کی تحریر واقعی نمبرون تھی۔ **شبنم غفار، کراچی:۔** مزاحیہ ٹائٹیل دیکھ کر ہنسی چھوٹ گئی۔ خاص نمبر... خوبصورت کہانیوں پر مشتمل تھا۔ "اداس لڑکا" "مہمان" "دیر نہ ہوجائے" مزے دار کہانیاں تھیں۔ **عالیہ ظفر علی، نوابشاہ:۔** خاص نمبر بہت پسند آیا پر قیمت بہت زیادہ تھی۔ ہم نے تو اسے خرید لیا لیکن جو غریب بچے ہیں وہ کیسے خریدیں گے؟ **محمد سلیم بخش، کراچی:۔** مئی کا خاص نمبر بہت مزے دار تھا۔ تحفہ پسند آیا لیکن قیمت بہت زیادہ تھی۔ عید کے حوالے سے کہانی "بکرا سوا لاکھ کا" پسند آئی۔ **محمد زاہد سلیم آرائیں، کراچی:۔** خاص نمبر واقعی نمبرون تھا۔ سائنسی معلومات کا کالم کیا بند کردیا گیا ہے؟ ○.....اسے کسی نئے

انداز سے شروع کیا جائے گا۔ **عدیل ستار، کراچی:۔** خاص نمبر توقعات سے زیادہ زبردست تھا۔ لیکن قیمت بہت زیادہ تھی۔ **عاصم خان، کراچی:۔** خاص نمبر میں کہانیوں کا تناسب موزوں تھا۔ "حل" "بوجھ" "اداس لڑکا" "مہمان" اور "بکرا سوا لاکھ کا" پسند آئیں۔ مضامین اور نظموں نے بھی متاثر کیا۔ خاص نمبر میں انٹرویوز بھی بہت اچھے تھے خاص کر جناب عبدالقادر صاحب اور وسیم اکرم کے انٹرویو اچھے لگے۔ **محمد سلیم خان، کراچی:۔** مئی کا خاص نمبر بہت سی توقعات کو بے دردی سے توڑتا ہوا آیا اور وہ بھی ۵ مئی کو ملا۔ آپ کی یہ شرط کہ تمام نگارشات اور خطوط ہر ماہ کی دس تاریخ تک مل جائیں اور دوسری طرف یہ قلیل دن..... آپ ہی بتائیں اتنی کم مدت میں کیا مطالعہ ہو اور کیا بھیجیں..... دوسری خلاف توقع بات یہ ہوئی کہ رسالے کا معیار وہ نہیں تھا جو ہم اپنے ذہن میں سجا کر بیٹھے تھے۔ رنگین صفحات کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اسی طرح دیگر توقعات کا بھی خون ہوا..... بہرحال خاص نمبر میں "عدل فاروقی" "اداس لڑکا" "آئی ایم سوری" "چڑ جلیبی" اور قلم دوست میں شامل تحریریں اچھی لگیں۔ ○... خاص نمبر تاخیر سے آیا۔ خاص نمبر جو تھا۔ پھر بھی معذرت۔ **فاطمہ عارف، کراچی:۔** تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ آنکھ مچولی واحد رسالہ ہے جس نے تمام موضوعات پر خاص نمبر شائع کئے اب آپ بقیہ نمبر نکالیں۔ ○..... خاص نمبر کی پسندیدگی کا شکریہ! آپ کی تجویز نوٹ کرلی گئی ہے۔ **شائلہ خان، کراچی:۔** مجھے آنکھ مچولی بہت پسند ہے اور میں اسے باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ انکل! کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اپنے رسالے میں بیت بازی کا کوئی سلسلہ شروع کردیں؟ ○..... آپ کی خواہش عنقریب پوری کی جائے گی۔ **محمد حسن عارف، کراچی:۔** "چھٹی کا ایک دن" "دیر نہ ہوجائے" "اداس لڑکا" "روفی کی نیکی" "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" "شریف آدمی شریر شاعر" "حل" "بوجھ" "چند لمحے سانپوں اور سیپیوں میں" "اور ایک دفعہ کا ذکر ہے" شمارے کی جان تھیں۔ نظم "ایک دن بکرا منڈی میں" لاجواب نظم تھی۔ انکل! کیا شمارے کی قیمت پہلے جیسی نہیں ہوسکتی؟ **عرفان محمد حسین گھانچی، کراچی:۔** چار مئی کی شام پانچ بج کر دس منٹ پر آنکھ مچولی ہمارے ہاتھ لگا۔ ٹائٹل کوئی خاص نہیں تھا۔ شمارے کے ساتھ تحفہ پسند آیا۔ خاص نمبر سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہوسکیں۔ عبدالقادر صاحب کا انٹرویو مزا دے گیا..... رسالے کی قیمت آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔ اسے خریدنے کے لئے چھ دنوں کی جمع شدہ رقم نکالنا پڑی۔ **سید عامر رضا ہاشمی، رحیم یار خان:۔** اسٹوڈنٹس اور کنڈیکٹروں کے درمیان گرما گرمی رہتی ہے۔ کبھی بس کے شیشے ٹوٹ گئے تو کبھی کوئی اسٹوڈنٹ زخمی ہوگیا۔ اسٹوڈنٹ کو مہذب پاکستانی بن کر سفر کرنا چاہئے۔ کنڈیکٹر کارڈ دمانگے تو خاموشی سے کارڈ دکھائیں۔ آپ لوگ ہی پاکستان کا مستقبل ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھ گئے تو پھر پاکستان میں

قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کیسے پیدا ہوں گے.....!!!

محمد جنید لاکھانی، کراچی:۔ خاص نمبر بہت پسند آیا کہانیوں میں سب سے بہترین کہانی "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" تھی جبکہ دوسرے نمبر پر نائلہ صدیقی کی تحریر "مہمان" رہی۔ کہانیوں میں "اداس لڑکا" "دیر نہ ہوجائے" "میرا دوست ولید" "چڑ جلیبی" "چھٹی کا ایک دن" "اس میں خطرہ ہے" پسند آئیں۔ عثمان بن سلیم کی کہانی خاصی کمزور تھی۔ صرف گریبان پکڑنے سے کوئی بدمعاش سدھر جائے۔ بھائی یہ تو فلموں میں بھی نہیں ہوتا۔ نظمیں تمام بہترین تھیں۔ انٹرویوز بے حد پسند آئے۔ **واجد نگینوی، کراچی:۔** آنکھ مچولی بچوں کا پسندیدہ اور غضب کا پرچہ ہے۔ اس کے مضامین اور دیگر مواد بہت ہی دلچسپ ہوتے ہیں اور لطائف کی کیا بات ہے ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کردیتے ہیں۔ **طارق اقبال کمالوی، کمالیہ:۔** آپ نے رسالے کی قیمت تھوڑی سی زیادہ کردی ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ ○.....خاص نمبر کا اداریہ آپ نے نہیں پڑھا۔ **محمد شہباز اقبال، شیخوپورہ:۔** آنکھ مچولی تفریح اور تعلیمی لحاظ سے سبق آموز مواد سے بھرپور ہوتا ہے۔ **نور السحر، کراچی:۔** میں بنام آنکھ مچولی کبھی نہیں پڑھتی لیکن اس دفعہ پڑھا تو بہت دُکھ ہوا۔ کسی نے میری کہانی "سونے کا شیر" کو نقل شدہ قرار دیا ہے۔ میں نے ایسا تو کبھی سوچا بھی نہیں یہ میری اپنی لکھی ہوئی کہانی ہے۔ **فقیر محمد شاہد، کمالیہ شہر:۔** کہانیاں، نظمیں اور لطائف اچھے تھے۔ رسالہ اس بار بھی پسند آیا۔ **وقاص، انیس، مسعود، جامپور:۔** آنکھ مچولی ہمیں اتنا پسند آیا کہ ہم بتا ہی نہیں سکتے! ○.....پھر بھی کتنا؟ جتنا بھی پسند ہے اتنا ہی بتادیجئے! **سعید، سعد اویس، جامپور:۔** آپ نے ہمارا خط شامل کرلیا تو ہم آپ کو دعائیں دیں گے۔ اور اگر نہ کیا تو بھی دعائیں ہی دیں گے۔ ○.....شکر ہے! کوئی تو درویش ملا۔ **نور محمد ابڑو، ہالا:۔** آنکھ مچولی مجھے اچھا لگتا ہے میں پچھلے ماہ سے اسے پڑھ رہا ہوں لیکن شریک پہلی بار ہو رہا ہوں۔ ○.....رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ آپ نے محفل میں شرکت کی خوش آمدید! **عدیل عثمان غنی (؟):۔** شمارہ دیر سے آیا مگر اپنی مثال آپ تھا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ حسبِ معمول قلم دوست بھی پسند آیا۔ **سید حسن جواد، گوجر خان:۔** مجھے آنکھ مچولی بہت اچھا لگتا ہے میں آپ کی محفل میں پہلی بار شریک ہو رہا ہوں۔ آنکھ مچولی میں "وہ کیا راز تھا" کی آخری قسط مجھے بے حد اچھی لگی۔ **محمد عامر علی، کراچی:۔** آپ نہ تو میرا خط شائع کرتے ہیں اور نہ میری تحریریں لیکن میں کبھی مایوس نہیں ہوا کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔ ○.....اچھے بھائی آپ معیاری اور دلچسپ تحریریں ارسال کیجئے! پھر بھی ہمیں خوشی ہے کہ آپ کبھی مایوس نہیں ہوتے آپ واقعی بہادر بچے ہیں۔ **محمد کامران، کراچی:۔** مجھے کہانی لکھنے کا طریقہ بتادیجئے کیا میں جرنل کے صفحات پر لکھ سکتا ہوں؟ ○.....آپ ہر اس صفحے پر لکھ سکتے ہیں

جو سادہ ہو اور رہا کہانی لکھنے کا طریقہ تو اس کے لئے ایک عدد قلم کچھ کاغذ اور ایک عدد اچھے دماغ کا ہونا ضروری ہے۔ **قاسم محمود' حافظ آباد:۔** آنکھ مچولی ایک بہترین رسالہ ہے ہم اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ **آرزو کنول' کراچی:۔** میری طرف سے اتنا اچھا' دلچسپ اور معیاری رسالہ شائع کرنے پر مبارک باد قبول کیجئے۔ ○.....شکریہ! آپ کی مبارکباد کا۔ **قرۃ العین تارڑ' لاہور:۔** حدیث ہے کہ "خیرات اس طرح سے دو کہ ایک ہاتھ سے دو تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔" ہم لوگ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جب بھی کوئی صدقہ یا خیرات کرتے ہیں تو خوب تشہیر کرتے ہیں۔ آنکھ مچولی سے یہ امید نہیں تھی لیکن آنکھ مچولی نے بھی ان بچوں کے نام شائع کرنے شروع کردیئے ہیں جو آنکھ مچولی خریدنے کی سکت نہیں رکھتے اور جن کا نام قرعہ اندازی میں شامل ہے۔ ○.....بی بی! آپ کی بات درست ہے لیکن ہم شائع نہ کریں تو تحائف کیسے دیں اور پھر جن کو یہ تحائف ملتے ہیں انہیں تو کوئی اعتراض نہیں تو پھر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ افسوس کہ آپ نے تحفے کو خیرات کہا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن میں خیرات کے لئے بھی کہا ہے کہ اسے کھلے یا چھپے دونوں طریقے سے دے سکتے ہو۔

۔عدنان احمد' کراچی۔ افشاں بشیر کی نظمیں کلاس کی ہوتی ہیں۔ قسط وار کہانی "وہ کیا راز تھا" کا اختتام اچھا رہا۔ **محمد عمران' چکوال۔** حال ہی میں آپ کی مجلسِ ادارت کے رکن منیر احمد راشد صاحب کی کہانی "وہ کیا راز تھا" کی آخری قسط شائع ہوئی جو حسب معمول نہایت دلچسپ تھی۔ آپ سے دو سوال ہیں : کیا منیر صاحب ٹیلی پیتھی جانتے ہیں؟ کیا ان کا یہ ناول کتابی صورت میں شائع ہوگا؟ ○ ۔۔۔۔ بھائی عمران! کیا آپ نے واقعی اس ناول کی قسطیں پڑھی ہیں۔ اس کے مصنف تو عمر احمد خان ہیں۔ **روبینہ انور(؟)** آنکھ مچولی شوق سے پڑھتی ہوں بے شک یہ ایک بہترین اور معیاری رسالہ ہے اس کا اندازہ اس کی مقبولیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ **غلام مصطفیٰ راجپوت' سانگھڑ۔** شمارہ پڑھتے ہی دل باغ باغ ہوگیا اب کیوں ہوگیا اس کی وضاحت نہیں کروں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ شمارے کی ہر کہانی اپنی مثال آپ تھی۔ **مس کاظمی(؟)** آنکھ مچولی حقیقت پسندی کو ظاہر کرنے والا بلا تکلف جاذبِ نظر پرچہ ہے۔ آپ نے دیگر علمی و معلوماتی مضامین آنکھ مچولی میں شائع کئے ہیں میری درخواست ہے کہ "ایٹمی تابکاری اور انسان پر اس کے منفی اثرات" اس عنوان پر کوئی مضمون شائع کریں کیوں کہ موجودہ دنیا ایٹمی تباہی کے دھانے پر کھڑی ہے۔ **محمد عمر قریشی' اسلام آباد۔** ایڈیٹر صاحب! کیسے ہیں آپ؟ خیریت سے ہی ہوں گے! آپ کا رسالہ کیسا جارہا ہے؟ ٹھیک ہی جارہا ہوگا۔ ویسے آپ کا رسالہ نمبرون جارہا ہے لیکن لطائف کا معیار ٹھیک نہیں۔ "وہ کیا راز تھا" تو اللہ کو پیاری ہوگئی لیکن تھی بہت زبردست۔ میرے خیال میں تو آنکھ مچولی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

آخری قسط

نیّر مسعود

سوتا جاگتا ابوالحسن

خلیفہ ہارون الرشید سوداگر کے بھیس میں ابوالحسن نامی شخص سے ملا۔ اور ایک رات اس کا مہمان رہا۔ ابوالحسن کی خواہش پوری کرنے کے لئے خلیفہ نے اسے ایک دن کا بادشاہ بنا دیا۔ خلیفہ کی خواب گاہ میں ابوالحسن کی آنکھ کھلی تو اسے اس تبدیلی پر یقین نہ آیا۔ بالآخر غلاموں اور کنیزوں کے یقین دلانے پر اس نے خود کو امیرالمومنین سمجھنا شروع کر دیا۔ خلیفہ بنتے ہی اس نے فسادی مولوی اور اس کے دوستوں کو سزا دلوائی اور ماں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اگلی صبح وہ دوبارہ اپنے پرانے گھر میں موجود تھا اور خلیفہ سے ابوالحسن بن چکا تھا۔ مگر وہ یہ سب کچھ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ خود کو خلیفہ سمجھ رہا تھا اور لوگ اسے پاگل۔ اسی پاگل پن میں اس نے اپنی ماں کی پٹائی کر ڈالی۔ اور پڑوسیوں پر بھی لٹھ لے کر دوڑا۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر داروغہ کے حوالے کر دیا اور داروغہ نے اسے جیل میں بند کر دیا۔

جیل میں ابوالحسن کی خوب تواضع کی گئی۔ ہر شام اس کی پیٹھ پر پچاس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ چند ہی دنوں میں خلیفہ ہونے کا بھوت اس کے سر سے اتر گیا اور ماں کی درخواست پر داروغہ نے ابوالحسن کو رہا کر دیا۔ خلیفہ ایک بار پھر اسی سوداگر کے بھیس میں ابوالحسن سے ملا۔ مگر ابوالحسن نے بے رخی اختیار کی۔ کیونکہ وہ اپنی مصیبتوں کا باعث اسی سوداگر کو سمجھتا تھا بالآخر خلیفہ کے اصرار پر ابوالحسن نے خلیفہ کی دعوت کر دی اور خلیفہ حسب سابق اسے بے ہوش کر کے اپنے محل میں لے گیا۔

(منظر) محل میں سونے کا کمرہ

[دوسرے دن صبح ابو الحسن خلیفہ کے بستر پر پڑا سو رہا ہے۔ سب خدمت گار اپنے اپنے سامان کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ چڑیوں کے چہچہانے کی تیز آواز آتی ہے۔ خلیفہ داخل ہوتا ہے اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ پھر بھی سب لوگ جھک جھک کر خاموشی سے خلیفہ کو سلام کرتے ہیں۔ خلیفہ گردن ہلا کر سلاموں کا جواب دیتا ہے۔ ابو الحسن کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے۔ پھر مسرور کو اشارہ کرتا ہے کہ اسے جگائے۔ اور خود سائے والے دروازے کے پردے کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔
مسرور دھیرے دھیرے ابو الحسن کے قریب جاتا ہے اور سر کے میں بھیگا ہوا اسفنج کا ٹکڑا اس کی ناک سے لگاتا ہے۔]

ابو الحسن: آخ..... چھیں.....!!! (آنکھیں کھولتا ہے مسرور پر نظر پڑتی ہے) کون؟ مسرور کو پہچانتے ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے ت..... تم.....! (کنیزوں اور غلاموں وغیرہ کو دیکھتا ہے) ..... ارے باپ رے.....(دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر کے بستر پر اوندھ جاتا ہے) پھ...پھر وہی خواب!!

مسرور: (ابو الحسن کے شانے پر آہستہ سے ہاتھ رکھتا ہے) امیر المومنین!

ابو الحسن: نہیں نہیں.....! میں ابو الحسن ہوں میں یہ خواب نہیں دیکھنا چاہتا۔ (بیٹھ کر آنکھیں کھول دیتا ہے) ایں..... آنکھیں کھولنے پر بھی! (بے تحاشہ بستر پر کھڑا ہو کر چلاتا ہے) او سوداگر کے بچے.....!!! پھر تو نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا؟؟

مسرور: (بڑی گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے) امیر المومنین! امیر المومنین!! خیر تو ہے؟

ابو الحسن: کیا بک رہا ہے ملعون! میں ابو الحسن ہوں۔

کوکب الصبح: امیر المومنین یہ موا ابو الحسن کون ہے؟ کل بھی حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور اپنے کو امیر المومنین ماننے سے انکار کیا تھا پھر بعد میں اسی ابو الحسن کی ماں کو اشرفیاں بھجوائی تھیں۔

ابو الحسن: (حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر) کل (بیٹھ جاتا ہے) اری نیک بخت یہ کل کی بات ہے؟؟ اس خوبصورت..... نہیں بھیانک خواب کو دو مہینے ہو رہے ہیں۔

مسرور: معلوم ہوتا ہے امیر المومنین نے پھر کوئی خواب دیکھا اور پھر وہی مردود ابو الحسن نظر آیا۔

ابو الحسن: (غصے میں تیوریاں چڑھاتا ہے) کیا کہا؟ مردود ہوں؟

مسرور: (دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑتا اور توبہ کرتا) توبہ توبہ! میری یہ مجال!! میں تو ابوالحسن کی بات کر رہا تھا۔

کوکب الصبح: اس لئے کہ کل بھی سویرے اٹھ کر حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور آج بھی.....

ابو الحسن: اف!! (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے) کل اور آج! کل اور آج!! میں کہتا ہوں بیچ میں سے وہ دن کہاں غائب ہو گئے جب میں طوطے کی طرح پنجرے میں بند تھا اور گدھے کی طرح پیٹھ پر کوڑے کھا کر بھینسے کی طرح ڈکراتا تھا!

سب خدمت گار: (ایک ساتھ) خدا نہ کرے، خدا نہ کرے!!

کوکب الصبح: خدا ایسا خواب امیر المومنین کو پھر نہ دکھائے!

ابو الحسن: خواب؟ ارے میری پیٹھ پر کوڑوں کے نشان ابھی تک موجود ہیں۔ لے تو خود دیکھ لے۔ (پیٹھ پر سے لباس ہٹاتا ہے)

کوکب الصبح: (جھک کر اس کی پیٹھ دیکھتی ہے) کہیں بھی نہیں۔ حضور کی پیٹھ تو آئینے کی طرح صاف شفاف ہے!!

ابو الحسن: ایں! آئینے کی طرح!!! (چلاتا ہے) خدا مجھے شیطان سے بچائے!! (کوکب الصبح سے) اور تو بھی شیطان ہے بلکہ شیطان کی خالہ ہے! کون ہے تو؟

کوکب الصبح: (روہانسی ہو کر) امیر المومنین میں آپ کی کنیز کوکب الصبح ہوں۔ مجھ سے کیا خطا ہوئی جو اس قدر ناراض ہیں۔ کل تو حضور نے میرا گیت بہت پسند فرمایا تھا۔ (آہستہ آہستہ گنگناتی ہے) یہ محل، یہ خوشی، یہ ترانے آنکھ دیکھے مگر دل نہ مانے۔

ابو الحسن: (ران پر ہاتھ مارتا ہے) بخدا بخدا مجھے یہ گیت یاد ہے۔ تو گویا وہ خواب نہیں تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ بھی خواب نہیں پھر وہ ساری مصیبتیں جو مجھ پر گزریں؟ وہ خواب تھا!! (ایک دم خوش ہو جاتا ہے) ہاں ہاں یہی ٹھیک ہے! (آواز کو رعب دار بنا کر) تو ہم امیر المومنین ہیں۔

دروغہ کی آواز: (پردے کے پیچھے سے ابھرتی ہے) تو پھر یا امیر المومنین! اب آپ کا یہ غلام آپ کی خدمت کے لئے تیار ہے بسم اللہ! (کوڑا چلنے کی آواز آتی ہے)

ابو الحسن: (سہم کر) نہیں میں امیر المومنین نہیں ہوں مسرور تم نے یہ آواز سنی؟

مسرور: آواز؟

ابو الحسن: ہاں اسی دروغہ کی آواز جس نے مجھے لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا تھا۔

کوکب الصبح: معلوم ہوتا ہے حضور ابھی نیند میں ہیں۔

مسرور: اور خواب میں سنی ہوئی آوازیں ابھی تک حضور کے کانوں میں گونج رہی ہیں!

ابو الحسن: آہ! (چت لیٹ جاتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے خواب سمجھوں یا اُسے۔ ہوں؟؟ (کچھ سوچ کر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) کوکب الصبح! (کوکب الصبح آگے بڑھتی ہے) لے بھلا میری انگلی میں کاٹ تو سہی، خوب زور سے (ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے)

کوکب الصبح: (جھجکتی ہے) کل بھی کنیز کو اسی گستاخی کا حکم دیا گیا تھا۔ میری ہمت نہیں پڑتی امیر المومنین!

ابو الحسن: بس یہ آخری امتحان ہے۔ اگر تکلیف سے میری آنکھ کھل گئی تو ابو الحسن ورنہ امیر المومنین!

کوکب الصبح: (پردے کی طرف دیکھتی ہے خلیفہ سر پردے کے باہر نکال کر اسے اشارہ کرتا ہے) میری خطا معاف فرمائیں۔ امیر المومنین! (کچکچا کر ابو الحسن کی انگلی کاٹ کھاتی ہے)

ابو الحسن: (بلبلا کر بستر سے کود پڑتا ہے) ہائے مار ڈالا!!!

[ابو الحسن کے چیختے ہی زور زور سے ساز بجنے لگتے ہیں ابو الحسن خوب زور سے قہقہہ لگا کر بڑے جوش میں ناچنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خواجہ سرا بھی ناچتے ہیں ابو الحسن کبھی ہاتھوں کے بل کھڑے ہونے کی کوشش میں بھدے سے زمین پر گرتا ہے کبھی کمر پر ہاتھ رکھ کر مٹکتا ہے اور کبھی بھونڈی بے سری آواز میں گاتا ہوا قلابازیاں کھانے لگتا ہے۔

خلیفہ ابو الحسن کی ان حرکتوں پر ہنستے ہنستے بے تاب ہو کر پردے سے باہر نکل آتا ہے]

خلیفہ: (ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) ابو الحسن خدا کے لئے بس کر! کیا ہنساتے ہنساتے مار ڈالے گا؟

[خلیفہ کے بولتے ہی سازوں کی آواز اور خواجہ سراؤں کا ناچ رک جاتا ہے ابو الحسن چونک کر خلیفہ کو گھورنے لگتا ہے]

ابو الحسن: (پہچان کر) مو..... موصل کا سوداگر.....!!

خلیفہ: (مسکراتے ہوئے) نہیں!!

ابو الحسن: پھر.....؟

مسرور: امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید.....

ابو الحسن: کیا؟؟ (دیر تک حیران کھڑا رہتا ہے۔ پھر ایک دم جھک کر سلام کرتا ہے) السلام علیک یا امیر المومنین!..... مگر غلام کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضور نے اس کے ساتھ کیوں یہ مذاق فرمایا!

خلیفہ: اس لئے کہ مُلّا اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے ہی ہاتھوں سزا دلوا دوں میں سمجھتا تھا کہ اپنے گھر میں آنکھ کھلنے پر تم اس واقعے کو خواب سمجھ کر بھول بھال جاؤ گے۔

ابو الحسن: سبحان اللہ! تو گویا اس معاملے میں ساری خطا میری ہی تھی.....؟..... خیر، مگر اب میری ایک درخواست ہے۔

خلیفہ: وہ کیا؟

ابو الحسن: کہ مجھے کبھی کبھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہے۔

خلیفہ: کبھی کبھی؟؟ (ہنستا ہے) جعفر!

جعفر: (سینے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا ہے) یا امیر المومنین!

خلیفہ: آج سے ہم نے ابو الحسن کو اپنا خاص مصاحب مقرر کیا۔ اس کو ایک مکان دیا جائے، ماہانہ تنخواہ مقرر کی جائے اور اب تک جتنے کوڑے اس نے کھائے ہیں اتنی اشرفیاں انعام اور ابو الحسن اب سے تمہیں روز یہاں آکر اپنی مزے دار باتوں سے میرا جی بہلانا ہوگا۔ میں تمہیں تنخواہ کے علاوہ بھی انعام اکرام دیا کروں گا۔

ابو الحسن: (جھک کر کئی سلام کرتا ہے) خدا امیر المومنین کو ہزاروں برس سلامت رکھے..... مگر ..... کہیں یہ بھی حضور کا مذاق تو نہیں؟؟؟

خلیفہ: (ہنستا ہے) نہیں۔ وہ خلیفہ کا مذاق تھا اور یہ خلیفہ کا حکم ہے۔ جعفر!

جعفر: حکم امیر المومنین!

خلیفہ: یہ پورا قصہ سنہری روشنائی سے لکھ کر شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا جائے تاکہ ہمارے سیکڑوں برس بعد آنے والے لوگ بھی اسے پڑھ کر خوش ہو سکیں۔ (ابو الحسن زور زور سے اپنی آنکھیں ملنے لگتا ہے) یہ کیا ابو الحسن؟؟

ابو الحسن: ڈر رہا ہوں کہ کہیں ابھی تک خواب ہی نہ دیکھ رہا ہوں!

کوکب الصبح: یقین نہ آتا ہو تو لاؤ ایک مرتبہ پھر تمہاری انگلی میں کاٹ کھاؤں؟

خلیفہ: (ہنسنے لگتا ہے) ہاں ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔

ابو الحسن: (گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے) نہیں بابا! مجھے بالکل یقین آ گیا!

[سب ہنسنے لگتے ہیں]

(ختم شد)

بچوں کے مشہور و معروف مصنف
اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

34 واں خاص نمبر
محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت
انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز
کی مشترکہ مہم
جیرال
قیمت =/۶۰ روپے

۲۰ر جون ۱۹۹۵ء
کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بک اسٹال پر دستیاب
نہ ملے تو
پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں
لاہور، — فون ۷۲۴۶۳۵۶

جہاز نے پٹخے

بیلٹ میں اٹکے

قلم دوست

ان کی تحریریں جو ادیب بننا چاہتے ہیں

حضرت عمر فاروقؓ نے نافع بن الحارث کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ عسفان کے مقام پر نافعؓ کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ امیر المومنین نے ان سے پوچھا۔ "تم اہل وادی پر کس کو اپنا جانشین مقرر کر کے آئے ہو؟" انہوں نے کہا۔ "ابن ابزیٰ (حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ) کو۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ "ابن ابزیٰ کون ہے؟" نافعؓ نے عرض کیا: "ہماری غلاموں میں سے ایک شخص ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کیا تو نے ایک غلام کو امیر مقرر کر دیا ہے؟" نافعؓ نے جواب دیا: "جی ہاں! اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور علم الفرائض کا سب سے بڑا عالم ہے۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر خوش ہو گئے فرمایا: "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی تو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو اوپر اُٹھائے گا اور دوسروں کو اس کی وجہ سے نیچے گرا دے گا۔"

حمدِ باری تعالیٰ

پیدا کیا ہے سب کو خدا نے
کھانا دیا ہے سب کو خدا نے
سب کو خدا نے پیدا کیا ہے
بچو خدا ہی سب سے بڑا ہے
یہ چاند تارے یہ پھول کلیاں
گھر میں ہمارے مصری کی ڈلیاں
جو کچھ ملا ہے اس نے دیا ہے
بچو خدا ہی سب سے بڑا ہے
ہم اس کے بندے وہ رب ہمارا
سچا خدا ہے سب کا سہارا
اقرار اس کا سب نے کیا ہے
بچو خدا ہی سب سے بڑا ہے

مرسلہ : عادل فاروق گوجرانوالہ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

شبانہ رشید

کسی کے دِل میں درد ہو تو ڈاکٹر کہتے ہیں اسے دِل کی بیماری ہے جبکہ مصنفہ کا دعویٰ ہے کہ دِل میں درد کا موجود ہونا نہ صرف صحت مندی بلکہ انسان کے مخلص ہونے کی نشانی ہے۔

درد کیا ہے؟ یہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟؟ اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں کہ ہماری بینائی کمزور ہے بلکہ یہ تو بڑی سنجیدہ سی بات ہے کہ درد نظر نہیں آتا مگر ہوتا ضرور ہے۔ اسے مذاق میں تبدیل کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کمال ہے دائیں ہاتھ سے اس لئے نہیں کرسکتے کہ اس میں درد ہوتا ہے بڑھاپا بذات خود ایک درد ہے ویسے کہیں آپ یہ مت سمجھئے گا کہ ہم بوڑھے ہوچکے ہیں.... ہم تو ادیب ہوچکے ہیں..... ہاں تو ہم کہہ رہے تھے بڑھاپا بیماری ہے لیکن ہماری لُغت میں بیماری کا دوسرا نام درد ہے اس لئے جو بیمار ہوتا ہے اسے درد بھی ہوتا ہے کبھی سردرد کبھی جوڑوں کا درد تو کبھی کمر میں درد آج کل کے دور میں کسی کے دل میں درد ہو تو لوگ کہتے ہیں اسے دل کی بیماری ہے اور کسی کے دل میں نہ ہو تو کہا جاتا

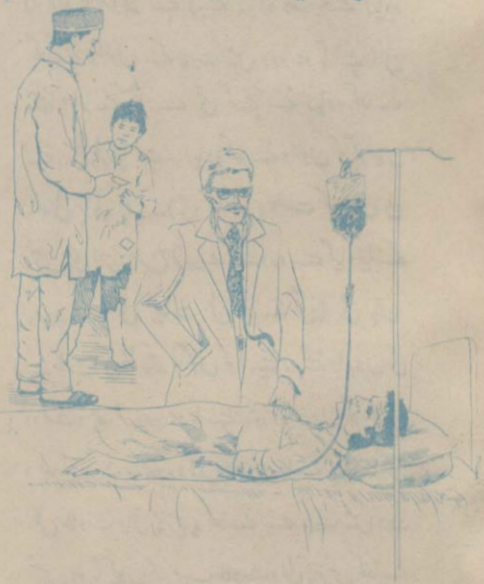

ہے یہ تو ہے ہی بے حس ویسے ہمارا دعویٰ ہے کہ دل میں درد کا موجود ہونا بیماری کی نہیں بلکہ صحت مندی کی علامت ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا "میں تمہیں آج کی حیرت انگیز بات بتاؤں؟" اس نے کہا "بتاؤ!" پہلا بولا "ہمارے سیاست دانوں کے اندر قوم کا درد پیدا ہوگیا ہے کل ہی میں نے اخبار میں پڑھا ہے" دوسرے نے کہا "یہ تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں" پہلا بولا "وہ کیسے؟" دوسرے نے مسکراتے ہوئے کہا "یار تم بڑے بھولے ہو دراصل سیاست دانوں کے اپنے دلوں کا درد ہے جس کا انہوں نے نام رکھا ہے "قوم کا درد" اب جو بھی ہارٹ فیل سے مرے گا اسے کہیں گے کہ مرحوم کے اندر اچانک قوم کا درد اٹھا جس سے وہ چل بسے۔"

عوام کا درد حکمرانوں کو بہت ہوتا ہے اس لئے وہ عوام کو ہمیشہ درد میں مبتلا رکھتے ہیں کبھی مہنگائی کے درد میں کبھی بے روزگاری کے دردمیں تو کبھی دہشت گردی کے دردمیں۔ ہم نے یہ بھی سُنا ہے کہ اکثر حکمرانوں کے دلوں میں درد نہیں ہوتا۔ ان کا شمار بے حسوں میں ہوتا ہے۔

ہماری دادی اماں کے داڑھ میں درد رہتا ہے.....جی ہاں داڑھ کا درد....؟ اس کے بارے میں شیکسپیئر نے کہا تھا کہ "ابھی تک کوئی فلسفی ایسا پیدا نہیں ہوا جو داڑھ کا درد برداشت کرسکے۔" پھر بھلا ہماری دادی اماں.... کیسے برداشت کرتی ہوں گی خیر بات یہ ہے کہ وہ کوئی فلسفی نہیں اس لئے برداشت کرجاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کو زیادہ سوچنے سے دماغ میں درد ہونے لگتا ہے اور زیادہ چلنے سے کچھ کی کمر درد کا شکار ہوجاتی ہے اور آپ کو پتا ہے کہ کمر کا درد کتنا سخت ہوتا ہے ویسے بھی مہنگائی نے کمر درد میں اضافہ کردیا ہے اب اگر کمر میں درد ہو تو پیٹ میں بھی درد لازمی ہوگا کہ دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے ویسے زیادہ بلکہ بہت زیادہ کھانے والوں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے اسی لئے ہمارے پیارے نبی کریمؐ نے زیادہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ زیادہ کھانے والوں کو گولیاں کھانی پڑتی ہیں....(جی کیا کہا دہشت گردوں کی نہیں جی اس طرح تو پیٹ کے درد سے کیا دنیا کے درد سے ہی نجات مل جائے گی) جی ہاں .... کارمینا کی!! کچھ لوگوں کو اپنے رشتے داروں کی دولت دیکھ کر درد ہوتا ہے کچھ دوسروں کو خوش دیکھ کر پیٹ کے درد میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آج کل ملاوٹ والی چیزیں کھانے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا کیوں کہ سب ملاوٹ والی چیزیں کھانے

کے عادی ہو گئے ہیں ہاں اگر کبھی کوئی خالص چیز کھالی تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ ہائے ہمارے ہاضمے کی بدنصیبی کہ اصلی چیزیں ہضم ہی نہیں کر سکتا۔

کچھ لوگ دو روٹی ہضم کر لیتے ہیں لیکن دو باتیں ہضم نہیں کر سکتے.... جب تک وہ بات اگل نہ دیں ان کے پیٹ میں درد رہتا ہے۔

پیٹ کے درد کے بعد باری آتی ہے جوڑوں کے درد کی یہ وہ درد ہے جو سر درد کے بعد سب سے زیادہ پایا جاتا ہے یہ بیماری بوڑھوں میں پائی جاتی ہے۔ کچھ اور درد بہت مشہور ہے جیسے "خواجہ میر درد" یہ وہ درد نہیں جو آپ کے جسم میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ "درد" اردو شاعری کا درد ہے اور بہت بڑا درد ہے اب کس کس درد کا ذکر کیا جائے کہ لگتا ہے کہ انسان کو پیدا ہی درد کے واسطے کیا گیا ہے، جسم میں جتنے اعضا ہیں سب میں درد ہوتا ہے ---- غرض کہ اب ہماری زندگی میں بہت سے درد جمع ہو گئے ہیں اور درد پر یہ اتنا لمبا چوڑا مضمون لکھنے سے اب ہمارے ہاتھوں میں درد ہو رہا ہے اور اگر یہ مضمون نہ چھپا تو پھر ہمارے دل میں درد شروع ہونے کے وسیع امکانات ہیں۔ وسیع امکان تو یہ بھی ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کہیں ایڈیٹر صاحب کے سر میں درد نہ شروع ہو جائے.....!!

جواہر پارے

مرسلہ..... سمیرا جمالی، دادو۔

بولنا اگر چاندی ہے تو خاموش سونا ہے۔

اگر جھوٹ بولو گے تو گیدڑ کہلاؤ گے اور اگر سچ بولو گے تو شیر۔

سچ بولو چاہے اس کے بدلے میں تمہیں اپنے جان کی بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

وقت کو فضول میں ضایع کرنے سے علم حاصل کرنا بہتر ہے۔

جس نے علم حاصل کیا پھر اس کے لئے دولت کوئی چیز نہیں۔

جواہر پارے

ناصرہ امین. کھاریاں کینٹ

○ — مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے مکمل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔
(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ)

○ — قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز اور میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔
(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ)

○ — تم میں سے نیک ترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔
(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ)

بولنے والا ایکسپریس

شاعر: محمد عثمان مدثر

انتخاب: محمد اویس یوسف زئی

بیٹسمین لرز اُٹھے گا اس کی اسپیڈ سے
غصّہ جب اس کو آئے گا دشمن کی لیڈ سے
ڈر کر کہے گا اب تو ہر اک بیٹسمین یہ
وکٹ وہ توڑ دیتا ہے وکٹوں کی سیدھ سے
لو آرہا ہے اب تو رہے گا نہ انتظار
مشکل ہے وقت گر تو کرے گا اس کو پار
وکٹوں کی اب تو ان کے لگے گی بڑی قطار
دیکھو وہ آرہا ہے پاکستان کا وِقار
بیٹسمین لرز اُٹھے گا اس کی اسپیڈ سے
غصّہ جب اس کو آئے گا دشمن کی لیڈ سے

قدیم چینی تہذیب کی یادگار، فنِ تعمیر کا نادر نمونہ

چینیوں کی محنت و عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت شمالی چین میں واقع دنیا کا آٹھواں عجوبہ دیوارِ چین جو چاند سے بھی نظر آتی ہے۔

دیوارِ چین

محمد اظہر اقبال کندی

دیوارِ چین شمالی چین میں واقع ہے۔ اور دنیا کا آٹھواں عجوبہ شمار ہوتی ہے۔ یہ دیوار قدیم چینی تہذیب، فنِ تعمیر اور چینیوں کی محنت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے یہ دیوار نہ صرف چین بلکہ پوری دنیا میں مشہور ہے۔

دیوارِ چین دنیا کی وہ واحد انسانی تخلیق ہے جو چاند سے بھی نظر آتی ہے۔ اس مشہورِ زمانہ دیوار کی لمبائی ۲۱۵۰ میل (۵،۰۰۰ کلومیٹر) ہے۔ دیوارِ چین کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر اس دیوار میں چنی گئی اینٹوں سے دنیا کے گرد ایک میٹر چوڑی اور پانچ میٹر اونچی دیوار تعمیر کی جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک مرتبہ پورے کرہ ارض کا چکر مکمل کرے گی بلکہ چند اینٹیں بچ بھی جائیں گی۔ یہ دیوار نیچے سے ۲۵ فٹ تک چوڑی ہے اور اوپر سے بارہ کلومیٹر۔ شاخوں کے ساتھ مل کر یہ دیوار ۹۹۸۰ کلومیٹر یا ۶۲۰۰ میل تک لمبی ہوجاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے بڑی دیوار ہے۔ کئی ہزار قبل چین چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان ریاستوں نے اپنی بقا اور حفاظت کے لئے پتھر اور گارے سے ایک دیوار بنانی چاہی۔ آہستہ آہستہ اس دیوار کی مختلف شاخیں پھیل کر ایک بہت بڑی دیوار بن گئی۔ اس طرح دیوارِ چین دراصل دفاعی نقطۂ نظر سے تعمیر کی گئی۔ اس دیوار کو پہلی بار ۲۵ سال کی مدت میں ۱۰ لاکھ چینیوں نے مل کر مکمل کیا اور اس دیوار کی تعمیر میں ہزاروں جانیں موت کی آغوش میں چلی گئیں جن کی قبریں اس دیوار کے نیچے بنائی گئی ہیں۔ اس وجہ سے اسے "خونی دیوار" بھی کہتے ہیں۔ یہ دیوار شمالی چین میں درہ شن ہیکو آن سے

شروع ہو کر مغرب میں درہ چیوی کان کے مقام پر ختم ہوتی ہے۔

شہنشاہ اول چن شے ہوانگ تی نے پہلی مرتبہ اس دیوار کو ۲۱۴ قبل مسیح میں مربوط کیا۔ اس کے بعد مسلسل یہ دیوار بڑھتی رہی۔ ۱۳ویں صدی سے ۱۶ ویں صدی تک اس دیوار کی از سرِ نو تعمیر کی گئی۔ ایسا شمالی طرف سے منگولیا کے وحشی منگولوں کے حملے سے بچنے کے لئے کیا گیا تھا لیکن وحشی تاتاریوں نے کئی جگہوں سے دیوار کو توڑ پھوڑ ڈالا اور چین کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ جنگی نقطۂ نظر کی وجہ سے اس دیوار پر کئی جگہ پر برجیاں اور چوکیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور خطرات کا مقابلے کرنے اور مدد کے لئے دھوئیں کے سگنل بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ دیوار چین، چین کے دارالحکومت بیجنگ سے ۲۵، ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس دیوار کے ساتھ بعض مقامات پر قلعے بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ تاتاریوں کے حملے اور زمانے کی شکست و ریخت سے اس دیوار کا بیشتر حصہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے۔ جس کی اب مرمت کی جا رہی ہے۔ آپ کبھی چین جائیں تو اس دیوار کو دیکھنا نہ بھولئے گا.....!!

ہم ہیں دیس کے پیارے

جویریہ وحید

ہم ہیں دیس کے پیارے بچے
روشن چاند ستارے بچے
ہم ہی قوم کا مستقبل ہیں
ہم ہی پاکستان کا دل ہیں
ہم ہیں آنکھ کے تارے بچے
روشن چاند ستارے بچے
ہم ہیں اس گلشن کی کلیاں
ہم سے روشن کوچے گلیاں
پاک وطن کے سارے بچے
روشن چاند ستارے بچے

"تمہارا نام ہی عمر انعام جعفری ہے۔"

"جج---جج---جی---جی---مم---مم---میں ہی عمر انعام جعفری ہوں۔" میں نے گڑبڑا کر کہا۔ بڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس وقت میں ایک عجیب وغریب دُنیا میں تھا۔ زمین کے نیچے گہرے پانی کے اندر۔ پانی میرے چاروں طرف تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ میرے ناک، منہ اور کانوں میں نہیں جارہا تھا--- میرے سامنے دریائی گھوڑا (سمندر کے جانوروں کا بادشاہ) بڑی شان سے سمندری تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر سنہرے رنگ کا چھوٹا سا تاج سجا تھا۔ کبھی کبھی وہ ایک ہاتھ سے تاج ہٹا کر اپنے سر کے اکلوتے بال سنوارنے کی کوشش کرتا تھا جو آٹے میں نمک کے برابر ہوں گے۔ اس کے قریب دو کنیز مچھلیاں سر جھکائے کھڑی تھیں۔ ستارہ مچھلیاں اور ایک خوشامدی کیکڑا اس کے قدموں میں پڑے میرے خلاف اسے بھڑکا رہے تھے لیکن وہ ان پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔

"تم نے اسے کہاں سے پکڑا؟" اس نے شارک مچھلیوں سے پوچھا۔ "بادشاہ سلامت! یہ کشتی میں بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ ہم نے ٹکر مار کر اس کی کشتی اُلٹ دی اور اسے پکڑ کر آپ کے دربار لے آئے تاکہ آپ اسے مچھلیاں پکڑنے کی سزا دے سکیں۔" میرے برابر میں موجود دونوں شارک مچھلیوں نے ایک آواز میں کہا۔ وہ دونوں اپنے اس کارنامے پر بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔ "ہاں بادشاہ سلامت! اس ظالم

بادشاہ کا فیصلہ

دریائی گھوڑے نے ایک ہاتھ سے تاج سر سے ہٹایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے سر کے اکلوتے بال سنوارنے کی کوشش کرنے لگا جو آٹے میں نمک کے برابر ہوں گے ستارہ مچھلیاں اور ایک خوشامدی کیکڑا اس کے قدموں میں پڑے چاپلوسی کی باتیں کر رہے تھے.....!!

سید عمر انعام جعفری

لڑکے کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔" میرے پاس کھڑی ہوئی ایک بڑی خوبصورت مچھلی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹا کر کہا۔ دریائی گھوڑا سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ شاید میرے لئے کوئی سزا تجویز کرنے کا سوچ رہا ہوگا۔ اسی وقت دو درباری مچھلیوں نے بڑے فرمائشی لہجے میں کہا۔ "حضور! جان کی امان ہو تو سزا سے متعلق کچھ عرض کریں؟"

"اجازت ہے۔" دریائی گھوڑے نے ہاتھ اُٹھا کر بڑے رعونت آمیز لہجے میں کہا۔ شاید اس کا دماغ کا خانہ کچھ خالی تھا اس لئے کوئی سزا اسے سوجھ نہیں رہی تھی۔

"حضور! ہمارا تو خیال ہے اس شیطان لڑکے کی بوٹی بوٹی کر کے شارک مچھلیوں کو کھلا دی جائے۔"

"حدِ ادب۔۔۔ گستاخ! آگے ایک لفظ بھی کہا تو ہم زبان کھینچ لیں گے۔۔۔ ہم خود سزا تجویز کریں گے فی الحال یہ لڑکا ہمارا مہمان ہے۔" دریائی گھوڑے نے چیخ کر کہا۔

"مہمان؟؟" دربار میں حیرت بھری آوازیں گونجیں اور تمام مچھلیوں کے چہرے لٹک گئے حالاں کہ کچھ دیر پہلے میرا چہرہ لٹک رہا تھا۔ کچھ جان میں جان آئی تو میں نے کہا، حضور جان کی امان پاؤں تو میں بھی کچھ عرض کروں؟"

"اجازت ہے!" دریائی گھوڑے نے گڑگڑا کر کہا۔ اس کے منہ سے پانی کے بُلبلے نکل رہے تھے۔ میں نے کہا۔

"عالی جاہ! مچھلیاں پکڑنا کوئی جرم تو نہیں۔ مچھلیاں تو ہماری خوراک کا حصہ ہیں اگر ہم مچھلیاں نہ کھائیں تو صحت مند نہیں رہ سکتے مچھلیوں میں وٹامن ایچ ہوتا ہے جس سے ہماری بینائی قائم رہتی ہے۔"

"تو کیا تم مچھیرے ہو؟" دریائی گھوڑے نے پوچھا۔

"نہیں جناب! میں مچھیرا نہیں میں تو بس ایسے ہی کبھی کبھی مچھلیوں کا شکار کرلیتا ہوں۔"

"گستاخ! مچھیروں کا حق مارتا ہے۔۔۔ اگر تو مچھیرا ہوتا تو ہم تجھے چھوڑ دیتے کہ مچھلیاں تیرے روزگار کا ذریعہ ہیں لیکن تو مچھیرا نہیں مچھلیوں کا دشمن ہے تجھے سزا ملے گی ضرور ملے گی۔"

دریائی گھوڑے کے منہ سے مارے غصے کے پانی کے بُلبلے نکلنے لگے۔ "گڑگڑ۔۔۔ گڑگڑ۔۔۔ گڑگڑ۔۔۔!!"

"رحم بادشاہ سلامت۔۔۔ رحم۔۔۔!!" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بے رحم انسان۔۔۔ دوسروں پر رحم نہیں کرتا اور ہم سے رحم مانگتا ہے۔۔۔ لے جاؤ اسے اور مگرمچھوں کے آگے ڈال دو۔"

دریائی گھوڑے نے چیخ کر کہا۔ دربار نعرہ

تحسین اور مچھلیوں کی چیخ وپکار سے گونج اُٹھا۔ سب اپنے بادشاہ کے فیصلے پر بے حد خوش تھے اسی وقت مجھے یوں لگا جیسے میرے منہ، ناک اور کانوں کے اندر پانی گھس رہا ہے۔سانس لینا بھی مشکل ہوگیا تھا حالاں کہ اس سے پہلے پانی میرے ناک کان اور منہ میں نہیں جارہا تھا۔

"گڑ---گڑ---گڑڑ---گڑڑ--"

میرے منہ سے پانی کے بلبلے نکلنے لگے۔ شارک مچھلیاں میری طرف بڑھنے لگیں۔ میرا دم بُری طرح گھٹ رہا تھا---"آہ---اُف ---ب---بچاؤ---!!"

اسی وقت کسی نے لحاف میرے چہرے سے ہٹادیا --- میری آنکھ کُھل گئی دیکھا تو نہ دربار تھا نہ مچھلیاں نہ دریائی گھوڑا البتہ امی سامنے کھڑی تھیں اور غصے سے کہہ رہی تھیں۔

"ہمیشہ لحاف منہ تک اوڑھ کر سوتا ہے کتنی بار منع کیا ہے لیکن باز ہی نہیں آتا لب بھلا دم نہیں گھٹے گا تو اور کیا ہوگا!!"

مہنگائی

آصف اقبال

سو روپے تھے ہاتھوں میں
اور چیز دُکانوں میں
پر چیز کہاں آئی
مہنگائی مرے بھائی

پیسے نہ بچا پائے
کمبل بھی نہ لا پائے
اب ٹھنڈ میں سونا ہے
مہنگائی کو رونا ہے
مہنگائی مرے بھائی

جیبیں تو ہوئیں خالی
بیگن ہے نہ اب تھالی
اک جشن منالو اب
نعرے ہی لگا لو اب
مہنگائی مرے بھائی

چڑیا ہار گئی

سید محمد اسامہ

غرور محبت کو چھین لیتا ہے لیکن محبت سب چیزوں پر بھاری ہوتی ہے۔ آپ محبت سے سب کچھ جیت سکتے ہیں۔۔۔!!

ایک تھی چڑیا بڑی اکھڑ بڑی مغرور۔ خوبصورت اور اچھی آواز اسے قدرت کی طرف سے ملی تھی وہ جنگل کے کسی جانور کو خاطر میں ہی نہ لاتی۔ جب دیکھو منہ پھولا ہوا جب دیکھو منہ بنا ہوا۔ عینک کی جگہ غصہ چوبیس گھنٹے اس کی ناک پر دھرا رہتا۔ کوئی بات کرتا تو جھڑک دیتی حالاں کے جنگل کے تمام جانور اس سے محبت کرتے اور اس کی خوبصورتی اور اچھی آواز کی تعریف کرتے۔

شیر، ہرن، چیتا، بھالو، بھالو کا خالو، بندر، بندر کا دوست رام چندر، بانس کی طرح لمبا زرافہ، لمبے کانوں والا ہاتھی جو سب کا ساتھی تھا وہ بھی اور..... اور سارے جانور جن کے نام مجھے یاد نہیں آرہے وہ سب..... وہ سارے چڑیا سے پیار کرتے تھے لیکن چڑیا کسی سے پیار نہیں کرتی تھی مگر ہاں ہم تو بھول ہی گئے کرتی تھی بھئی پیار..... کیا کہا چڑے سے..... نہیں بھئی! اپنے چڑے سے اتنا پیار نہیں تھا اسے جتنا اپنے تین ننھے منے بچوں سے پیار تھا۔ اس کا چڑا بھی اپنے بچوں کو عزیز رکھتا تھا۔ دونوں اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے، انہیں دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔

ایک دن مغرور چڑیا اپنے چڑے کے ساتھ سیر کو گئی ہوئی تھی۔ سیر کرکے جب وہ واپس آئے تو انہوں نے دیکھا جس درخت پر ان کا گھونسلہ تھا وہ آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ آگ کے گرم گرم شعلے اوپر اٹھ رہے تھے اور ان کی تپش سے ان کے ننھے منے بچے بلبلا رہے تھے۔

"چوں چوں چوں..... ہائے امی ابو..... ہائے امی ابو.....!!"

ارے میرے بچے..... ارے بچاؤ انہیں.....! چوں چوں چوں!!" چڑیا چلائی۔ چڑے چڑیا نے درخت کے گھونسلے تک پہنچنے کی کوشش لیکن آگ بہت پھیل چکی تھی۔ شعلوں کی تپش نے انہیں گھونسلے تک پہنچنے نہ دیا۔ ماں باپ نے بے چین ہو کر گھونسلے کے اوپر اِدھر سے اُدھر کئی چکر لگائے لیکن کچھ نہ کر سکے اور شعلے گھونسلے تک پہنچ گئے۔

"ہائے میرے بچے" "ہائے ہم لُٹ گئے..... کوئی ہے ..... ارے کوئی ہے .... چوں.....چوں.....چوں.....!!"

چڑے چڑیا بری طرح رو رہے تھے، چیخ و پکار کر رہے تھے پھر اچانک بارش سی ہونے لگی اور آگ کے شعلے بجھنے لگے۔ چڑے چڑیا نے غور سے دیکھا۔ جنگل کے جانور ان کا شور سن کر ان کی مدد کو دوڑے آئے تھے۔ ہاتھی اپنی لمبی سی سونڈ میں قریبی جھیل سے پانی بھر کر لے آیا تھا اور فائر بریگیڈ والوں کی طرح پانی پھینک رہا تھا۔ ہاتھی کی محنت رنگ لائی اور آگ بجھ گئی۔

مغرور چڑیا کے بچے بچ گئے۔ وہ بہت خوش تھی۔ خوشی کے آنسو چڑے چڑیا کی آنکھوں سے جاری تھے۔

آگ بجھ گئی تو جنگل کے تمام جانور خاموشی سے جانے لگے۔ (مغرور چڑیا کسی سے بات نہیں کرتی تھی اس لئے جانور بھی خاموش ہی رہا کرتے تھے۔) جانوروں کو جاتا دیکھ کر چڑے نے چڑیا سے کہا۔

"جانوروں کا شکریہ تو ادا کر لو۔"

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟" چڑیا کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔ کڑواہٹ کی جگہ مٹھاس نے لے لی۔

"تم ہمیں پسند نہیں کرتی ہو اس لئے واپس جا رہے ہیں۔" جانور ایک آواز ہو کر بولے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں..... مجھے معاف کر دیجئے آئندہ میں کبھی غرور نہیں کروں گی۔ آپ لوگوں کی محبت اور مدد نے میرے دل سے غرور کو باہر نکال پھینک دیا ہے۔" یہ کہہ کر چڑیا رو پڑی۔ فاختہ نے اس کے آنسو پونچھے۔ جنگل کے جانوروں نے ایک آواز ہو کر کہا۔ "غرور محبت کو چھین لیتا ہے لیکن محبت تمام چیزوں پر بھاری ہوتی ہے ہم نے تمہیں معاف کیا اچھی چڑیا!!" چڑیا نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا جانوروں کی محبت جیت گئی تھی اور اس کا غرور ہار گیا تھا۔

غرور کی جیت ہمیشہ عارضی ہوتی ہے!!

تم بے وفا ہو

خود غرض لوگ صرف اپنے لئے جیتے ہیں....
صرف اپنے لئے جینے والے اس کہانی کو ہرگز نہ پڑھیں!!

محمد اظہر خان

ایک تھا طوطا ایک تھا کوا۔ دونوں کا گھر ایک ہی درخت پر تھا۔ طوطا اس درخت پر پہلے سے رہتا تھا..... کوا بعد میں آیا تھا لیکن جب اس نے پیڑ پر اپنا گھونسلہ بنالیا تو طوطے سے اس کی دوستی ہوگئی۔ کوا طوطے کا بہت خیال کرتا لیکن طوطا اس پر حکم چلاتا رہتا خاص کر جب طوطے کے دوست آتے تو طوطا اس طرح حکم چلانے لگتا جیسے کوا اس کو نوکر ہو اس وقت وہ دوستی کے رشتے کو بالکل فراموش کردیتا..... اس کے جسم میں سُستی اور کاہلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ زیادہ تر وہ آرام کرتا اور اپنے حصے کا کام دوسروں سے کرواتا۔ چاپلوسی کے ذریعے اپنے کام نکال لیتا اور جنگل کے جانوروں کو پتا بھی نہ چلتا۔ اس کا کہنا تھا کہ وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنالینا چاہئے..... اپنی ان بری حرکتوں کو وہ عقلمندی کہتا تھا.....

طوطا خود غرض بھی تھا۔ اپنے مفادات اسے بے حد عزیز تھے۔ اپنی غرض کی خاطر دوسروں کا نقصان ہوجاتا تو اسے بالکل بھی افسوس نہ ہوتا..... اپنی چاپلوسی کی وجہ سے جنگل میں اس نے اپنا ایک مقام بنا رکھا تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ کوا بیمار ہوگیا۔ وہ حکیم لومڑ کے پاس گیا۔ حکیم لومڑ نے اس کی نبض دیکھ کر کہا کہ اسے یرقان ہوگیا ہے وہ جنگل کی سب

سے بڑی جڑی بوٹی کی دکان پر جائے اور وہاں سے اخروٹ لے کر کھائے تو اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔ "لیکن اخروٹ تو بہت مہنگے ہیں۔ اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ انہیں خرید سکوں؟" کوے نے سوچا..... پھر کچھ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے جنگل سے کچھ جڑی بوٹیاں لیں اور دُکان کی طرف چل پڑا۔

راستے میں اسے طوطا مل گیا۔ "کہاں جا رہے ہو؟" طوطے نے پوچھا۔ جواب میں کوے نے ساری تفصیل بتائی۔ جنگل کی بڑے دکان الّو کی تھی۔ وہ اخروٹ کے علاوہ اور بھی بہت کچھ بیچتا تھا۔ اس نے بہت سارے پرندے ملازم رکھے تھے جو اس کی دُکان میں دن رات کام کرتے تھے۔ اس جنگل اور اس جنگل سے باہر الو کی دُکان کے مال کی دھوم مچی ہوئی تھی حالاں کہ وہ چیزوں میں ملاوٹ کرتا تھا۔ کوے اور طوطے کی الّو سے اچھی دوستی تھی۔ دونوں اسے جنگل کی جڑی بوٹیاں فراہم کرتے تھے۔ طوطا بھی الّو ہی کی دکان پر جا رہا تھا۔ اسے بھی اخروٹ کی ضرورت تھی۔ اس نے سوچا اگر کوا الّو کے پاس چلا گیا تو سارے اخروٹ اسے مل جائیں گے اور وہ محروم ہو جائے گا۔ "کوئی ایسی ترکیب لڑانی چاہئے کہ کوا اخروٹ سے دستبردار ہو جائے۔ فوراً" مگرمچھ کے آنسو بہانے لگا۔

"کیا ہوا..... کیوں رو رہے ہو؟" کوے نے حیران ہو کر پوچھا۔ طوطے نے ٹسوے بہاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بھی اخروٹ کی ضرورت ہے اور مجھے بھی لیکن میں اخروٹ لینے الّو کے پاس چلا گیا تو پھر الّو تمہیں اخروٹ نہیں دے گا۔ ہم میں سے کسی ایک کو ہی اخروٹ مل سکتے ہیں۔"

"لیکن تم تو بیمار نہیں پھر تمہیں کیوں اخروٹ کی ضرورت پیش آ گئی؟"

"مجھے..... مجھے..... یرقان ہو گیا ہے دیکھ نہیں رہے میرا رنگ پیلا پڑ گیا ہے۔" بیماروں جیسی شکل بنا کر طوطے نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ "مجھے اخروٹ نہ ملے تو میں مر جاؤں گا۔"

"مریں تمہارے دشمن..... تم الّو سے اخروٹ لینے چلے جاؤ میں کہیں اور سے لے لوں گا۔"

کوے نے کہا حالاں کہ اسے معلوم تھا کہ اسے کہیں اور سے اتنے مہنگے اخروٹ مل ہی نہ سکیں گے۔

طوطا الّو سے اخروٹ لے آیا اور مزے مزے سے ہر روز کھانے لگا لیکن اس نے کوے سے یہ نہ کہا کہ ایک دو اخروٹ تم بھی کھالو کہ تم بھی بیمار ہو۔

کوا بے چارہ بہت پریشان تھا۔ اس کی بیماری بڑھتی چلی جا رہی تھی..... وہ دوبارہ حکیم لومڑ

کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اخروٹ کی جگہ اسے کوئی اور دوائی دے دی جائے تاکہ وہ صحت یاب ہوسکے لیکن حکیم لومڑ کا ایک ہی جواب تھا کہ بغیر اخروٹ کھائے وہ صحت یاب ہو ہی نہیں سکتا۔ کوے نے طوطے سے دوبارہ کہا کہ اسے تو اخروٹ الّو نے دے ہی دیئے ہیں اس لئے اب وہ الّو کے پاس اخروٹ لینے جارہا ہے لیکن طوطے نے مکّاری سے کہا۔

"الّو کے پاس نہ جانا وہ بہت خبیث پرندہ ہے کسی کو بھی کوئی چیز دیتا ہے تو گرا کر دیتا ہے۔ تم بہت اچھے رہے کہ تم نے اس خبیث سے اخروٹ نہیں لئے میں نے مجبوری کی وجہ سے دو تین دفعہ تو اس سے اخروٹ لے لئے مگر توبہ اب کبھی نہ لوں گا۔ آدمی کسی کے آگے کبھی ذلیل نہ ہو۔"

کوا خوددار تھا الّو کے پاس نہ گیا اس نے اللہ سے دعا کی کہ اسے کہیں اور سے اخروٹ مل جائیں تو اس کا مرض دور ہوجائے گا..... کوے نے سچے دل سے دعا مانگی تھی اس لئے اللہ میاں نے اس کی دعا قبول کرلی۔ اسے کہیں اور سے اخروٹ مل گئے۔ انہیں کھا کر وہ صحت یاب ہوگیا..... ایک دن صبح ہی صبح جب کوا گھر سے باہر نکل رہا تھا تو اس نے دیکھا طوطا بن ٹھن کر کہیں جارہا ہے۔

"کہاں جارہے ہو؟" کوے نے پوچھا۔

"الّو کے پاس۔"

"الّو کے پاس..... مگر کیوں؟"

"وہ..... وہ..... اخروٹ لینے..... اصل میں..... میں بیمار ہوں نا.....!!" طوطے نے ایک آنکھ دبائی اور اُڑتا ہوا کوے کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔

کوے نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا پھر طوطے کے خالی گھونسلے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم واقعی بے وفا ہو!"

جواہر پارے

حقیقت میں اندھا انسان وہ نہیں جس کی آنکھوں میں نور نہ ہو لیکن اندھا وہ ہوتا ہے جو دیکھنے میں بھی دیکھ نہ پائے۔

جھوٹ بولنے سے پانی میں ڈوب کر مرنا بہتر ہے۔

دانائی کی بنیاد اللہ کا خوف ہے۔

مہکتی کلیاں

○ لوگوں کو علم کا مرتبہ معلوم ہوجائے تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر علم کو حاصل کرنے لگ جائیں۔

○ ہاتھ پھیلانے سی بستر ہے کوئی حقیر پیشہ ہی اختیار کرلیا جائے۔

یاور چاند ملک ستارے پر

فرحان احمد خان غوری

رات کا وقت تھا یاور.... اپنے کمرے سے نکلا اور لان میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر چاند ستارے..... چمکتے دمکتے بہت ہی خوبصورت نظر آرہے تھے۔ یاور ابھی آسمان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک خالی اُڑن کھٹولہ آسمان سے اُڑتا ہوا اس کے لان میں اُتر آیا۔ یاور اس خالی اُڑن کھٹولے پر بیٹھ گیا اور اڑن کھٹولہ اسے اُڑا کر آسمان پر لے گیا۔ وہاں ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ بہت سارے بچے آنکھ مچولی، پکڑم پکڑائی، اور.... لال پری آنا چپکے چپکے آنا وغیرہ جیسے کھیل کھیل رہے تھے۔ یاور بچوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور انہیں دیکھنے لگا۔ بچے سفید کلر کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے کپڑے خوب چمک رہے تھے ان میں سے ایک بچے نے یاور کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھیل میں شامل کر لیا پھر یاور نے اس بچے سے پوچھا "یہ کون سی جگہ ہے؟" بچے نے بتایا "یہ

ستارہ چک مک ہے" اور یہ ہمارا گھر ہے اس پر ہم کھیلتے ہیں اور چاند ماموں ہمیں پڑھاتے ہیں اور چاند میں ہمارا اسکول ہے پھر ہم رات کو دو بجے کھیلتے ہیں اور صبح دس بجے پڑھتے ہیں اور جب تمہاری صبح ہو جاتی ہے تو ہم اپنے گھر چلے جاتے ہیں پھر دوسرا بچہ آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک لمبی جمپ لگائی تو وہ دوسرے ستارے پر پہنچ گئے وہاں بہت سارے بچے کھیل رہے تھے پھر اس بچے نے کہا چلو "میں تمہیں چندا ماموں میں اپنا اسکول دکھاتا ہوں۔" پھر اس نے یاور کا ہاتھ پکڑا اور ایک چھلانگ لگا کر اپنے اسکول پہنچ گیا۔ اور پھر ایک خوبصورت پھولوں والی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا ہمارا اسکول" یاور نے اسکول دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنا خوبصورت، روشن اور ہوادار اسکول۔ یاور کو اپنا اسکول یاد آگیا پیلی پیلی سی بیمار عمارت، ٹوٹی پھوٹی بنچیں، ٹوٹے دروازے کھڑکیاں، مہنگی فیس، بچے نے یاور کو بتایا کہ چک مک ستارے کے اسکولوں میں کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ حکومت تعلیم مفت دیتی ہے۔ اسکول سارا سال کھلے رہتے ہیں۔

"تمہارے ہاں بھی اسکول سال بھر کھلے رہتے ہوں گے؟" بچے نے پوچھا۔ یاور نے افسردگی سے بتایا۔ "نہیں ہمارے ہاں ہر روز ہنگامے ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے بڑا بڑا اسلحہ ہاتھوں میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ لوگوں سے زبردستی چندہ لیتے ہیں، اسکول بند کرا دیتے ہیں، روز رات کو فائرنگ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بدمعاش سمجھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔"

"چھی چھی چھی چھی..... کتنے گندے..... ہیں تمہاری دنیا کے لڑکے۔" چک مک ستارے کے بچوں نے کہا۔ "تم کہیں ہمارے چک مک ستارے کو گندہ نہ کر دو۔" اس بچے نے کہا پھر جو زور سے یاور کو دھکا دیا تو یاور آسمان سے زمین کی طرف گرنے لگا۔

"دھم ------!!" بڑے زور سے دھماکہ ہوا یاور نے دیکھا وہ کرسی سے نیچے گر پڑا تھا۔ شائد آسمان پر ستارے تکتے تکتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

حضرت معاویہؓ کا جواب

حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں عرب کے ایک رئیس نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ میں مکان بنوانا ہے۔ مجھے سالم کھجور کے بیس ہزار درخت تعمیر مکان کے سلسلہ میں درکار ہیں۔ ان کی بہم رسانی میں میری امداد فرمائی جائے۔ آپ نے درخواست کی پشت پر لکھوایا "کیا تم بصرہ میں گھر بنانا چاہتے ہو یا بصرہ کو اپنے گھر میں بسانا چاہتے ہو؟"

مرسلہ..... محمد عبدالحنان، بورے والہ۔

کوپن برائے سالانہ خریداری

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں _____

رقم _____ بذریعہ _____

پتا _____

_____ فون نمبر _____

کوپن برائے "ہیرو کے مہمان"

نام _____ تاریخ پیدائش _____ جماعت _____

تعلیمی ادارہ _____ مشغلہ _____

پتا _____

کوپن برائے "تحفہ آنکھ مچولی"

میرے دوست کا نام _____

جماعت _____

گھر کا پتا _____

کوپن برائے "سب سے بہترین"

سب سے اچھی کہانی _____ مصنّف _____

سب سے اچھی نظم _____ شاعر _____

بھیجنے والے کا نام اور پتا _____

نوٹس بورڈ

مقابلوں کے نتائج اور ضروری اعلانات نوٹس بورڈ پر درج کئے جائیں گے۔ ہر مقابلے میں شرکت کے لئے کوپن روانہ کرنا ضروری ہے۔

کوپن صفحہ نمبر ۱۲ پر ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کی پرجوش فرمائش پر قلمی دوستی کا ایک نیا سلسلہ "ہیرو کے مہمان" کے عنوان سے شروع کیا جارہا ہے اس میں ایسے بچوں کا تعارف اور تصاویر شائع کی جائیں گی جو اس ماہ میں پیدا ہوئے ہوں۔ ادارہ آنکھ مچولی کے علاوہ اسی مہینے میں پیدا ہونے والے کوئی قومی ہیرو بھی بچوں کے میزبان ہوں گے۔ اپنے تعارف اور شناختی کارڈ سائز بلیک اینڈ وہائٹ تصویر آج ہی روانہ کردیجئے۔

آپ کے ایسے دوست جو آنکھ مچولی پڑھنا چاہتے ہوں لیکن اسے خریدنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، آپ انہیں آنکھ مچولی کا تحفہ مفت پیش کرسکتے ہیں آپ ان کا نام اور پتا کوپن میں لکھ کر ہمیں بھیج دیجئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادارہ ان میں سے بذریعہ قرعہ اندازی دس ساتھیوں کو اپنا ممبر بنالے گا اور انہیں ایک سال کے لئے آنکھ مچولی مفت جاری کردیا جائے گا۔ اس طرح آپ ایک نیک کام کریں گے اور ادارہ آنکھ مچولی کو بھی ایک نیک کام کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔

(پانچواں ٹکڑا)

اِس طرح تو ہوتا ہے

محمد اجمل انصاری

خلائی کمانڈر نے چند ہی دنوں میں ہمارے ملک کا نقشہ بدل دیا۔ مہنگائی بھاگ گئی..... چور، بدمعاش لٹیرے اس طرح غائب ہوگئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ ملک کا خزانہ لوٹنے والے سیاستدان اپنے لوٹ مار کے مال سمیت بیرون ملک فرار ہوگئے۔ جو بچے ان پر ملکی مفادات اور عوام کو نقصان پہنچانے کے الزام کا مقدمہ چلایا گیا۔ اور الزام ثابت ہوجانے پر انہیں عمر قید..... قید بامشقت کی سزا دے دی گئی..... ملک سے رشوت..... ..... چوری، ڈکیتی اور قتل و غارت کا خاتمہ ہوگیا۔ ملک کا نام "اندھیر نگری چوپٹ راج" ہٹا دیا گیا..... نیا نام "امن دیس" تجویز ہوا جو ظاہر بھگوڑی کے والد صاحب نے تجویز کیا۔

خلائی مخلوق کی آمد ہمارے ملک کے لئے بارانِ رحمت ثابت ہوئی اور ملک کا نظم و نسق احسن ہوگیا۔ حق داروں کو حق ملنے لگا۔ اقربا پروری، بندر بانٹ اور ناانصافی کا دور ختم ہوگیا۔

ملک کے تمام صوبوں کو مساوی حقوق ملے تو تمام لوگ مل جل کر محبت اور بھائی چارے سے ملک کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے..... صوبوں کو ختم کرکے ایک وفاق بنادیا گیا۔ سب سے مزے کی بات یہ ہوئی کہ ملک آریکا کو ہمارے ملک سے جوتیاں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ خلائی مخلوق نے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے والے آریکا کو اس کے ملک تک ہی محدود کردیا ہے اور اس کا تمام ایٹمی اسلحہ سمندر برد کردیا..... اسی طرح پوری دنیا سے اسلحہ ختم کردیا گیا..... خلائی مخلوق کی دہشت کے آگے بڑے بڑے دہشت گرد دہشت زدہ ہوکر اپنی موت آپ مرگئے..... جو نہیں

مرے انہیں سزا دے کر مار دیا..... خس کم جہاں پاک..... اب پوری دنیا میں امن و سکون تھا۔ کہیں کوئی ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔ لوگ مزے سے اپنے کاموں پر جاتے تھے گاڑیاں بند نہیں ہوتی تھیں۔ کوئی ہڑتال نہیں کرتا تھا۔ بچوں کے اسکول سارا سال کھلے رہتے تھے۔ رونقیں اور خوشیاں لوٹ آئی تھیں..... غرض کہ دنیا جنت نظیر بن چکی تھی۔

ایک دن میں ظاہر بھگوڑی کے ساتھ ساحلِ سمندر پر ٹہل رہا تھا..... بڑا اچھا موسم تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے..... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جسموں کو چھو رہی تھی فرحت اور تازگی کا احساس رگ و پے میں سما رہا تھا۔

ظاہر بھگوڑی کے ہاتھ میں فروٹو جوس کا ڈبہ تھا جس میں چھوٹی سی نلکی لگی ہوئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپ لے کر جوس پی رہا تھا جب کہ میرے ہاتھ میں ایک بڑا سا کینو تھا۔ جسے میں چھیل چھیل کر کھا رہا تھا.....

" آج تو مزا آگیا..... شائد اتنا مزا مجھے کبھی نہ آیا ہوگا۔"

ظاہر بھگوڑی نے جوس کا ڈبہ نچوڑنے کے بعد ایک طرف اُچھالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو دوست! یقین تو مجھے بھی نہیں آتا کہ ہم ایک صاف ستھرے اور اچھے دیس میں رہ رہے ہیں..... یاد کرو آج سے چند مہینے پہلے ہمارے ملک میں کتنی بدامنی، قتل وغارت گری، ہنگامے، ہڑتالیں اور خلوص و محبت کا فقدان تھا۔ اب کتنا امن ہے..... چین ہے محبت ہے سکون ہے۔ خلائی مخلوق نے ہمارے ملک کو ہی نہیں پوری دنیا کو امن کا گہوارہ بنادیا ہے۔"

"جھوٹ..... جھوٹ..... خلائی مخلوق کے چمچے..... خاموش!!"

کسی نے زور سے چلّا کر کہا۔ میں نے اور ظاہر بھگوڑی نے گردن گھما کر بڑی حیرانی سے آواز کی سمت دیکھا ایک بڑے بڑے ریچھ جیسے بالوں والا لڑکا جو بہت ڈھیلی قمیض اور بہت چست پینٹ پہنے تھا، گلے میں گٹار لٹکائے کسی غصیلے الّو کی طرح ہمیں گھور رہا تھا۔ "کیا ہوگیا بھائی عجیب و غریب؟" ظاہر بھگوڑی کے تمسخرانہ انداز سے وہ لڑکا بپھر گیا۔ غصے سے بھاگتا ہوا آیا اور گٹار کندھے سے اُتار کر زور سے ظاہر بھگوڑی کے سر پر رسید کیا۔ "آہ..... اف.....!!" صرف دو ہی جملے بھگوڑی کے منہ سے نکل سکے۔ وہ لڑکھڑایا اور بُری طرح نیچے گر پڑا..... مجھے یقین ہے اس کے چودہ نہیں تو پورے اٹھائیس طبق تو ضرور روشن ہوگئے ہوں گے!!

(جاری ہے)

شربت نورس انتہائی کاوشوں، جدید ترین مشینری کی مدد اور ماہرین کی انتھک کوششوں کو یکجا کر کے سائنٹیفک اصولوں کے تحت تکمیل کو پہنچتا ہے۔ نورس کا ذائقہ ہی اس کی خوبی نہیں بلکہ اس کا ایک ایک گھونٹ مفرح اور صحت بخش ہے۔ اسے دودھ، آئسکریم، کسٹرڈ اور قلفی میں استعمال کرنے سے لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور موسم برسات میں تازہ لیموں کے ساتھ نورس فریشس لائم موسم کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

نورس
قومی مشروب

احمد فوڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ڈی-112، نورس روڈ، سائٹ، کراچی 75700
ٹیلیکس: 021-2564570
فون نمبر 2563520 (5 لائنیں)

Colorscan

REGD. No. M-266 JUNE 1995
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

APPETA Finger Chips

A -IS FOR APPETA
B -ECAUSE.... APPETA IS THE BEST
C -CHILDREN LOVE US
D ON'T BUY ANY OTHER CHIPS...
E NJOY APPETA
F -INGER CHIPS

ذائقے کی دنیا میں
A IS THE APPETA

...ngle Estate, Kahuta Road, Islamabad, Pakistan. Phone: 51-490471-4 (PABX-4 Lines) Fax: 51-491117-4, Telex: 54421 A. R. PK.